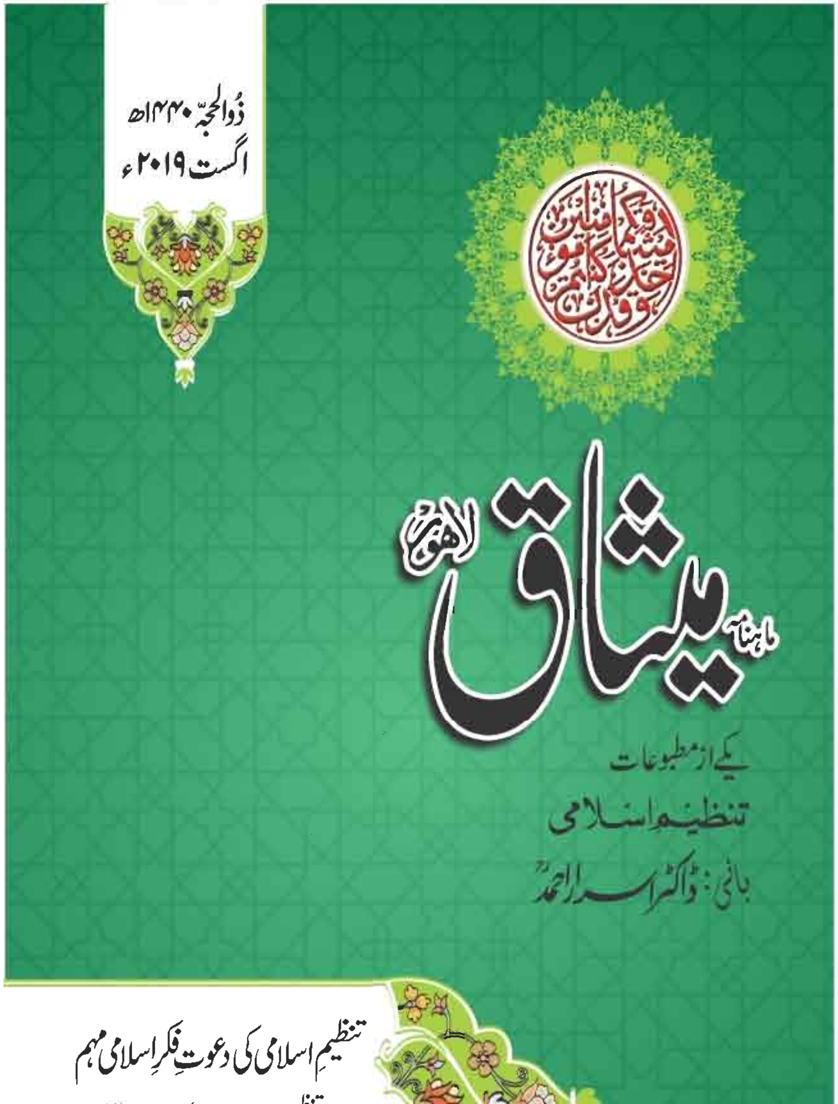

کلمہ طیبہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست میں رنجیت سنگھ کا مجسمہ نصب کرنا دین اسلام کی تعلیمات سے کھلی بغاوت ہے۔

مسلمان بت تراش نہیں بت شکن ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں رکھے تمام بت خود اپنے دست مبارک سے پاش پاش کیے تھے۔

یاد رہے کہ رنجیت سنگھ وہ شخص تھا جس نے مسلمانوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا، اس کے دور میں مسلمان عورتوں کی بڑے پیمانے پر آبرو ریزی کی گئی اور لاہور کی شاہی مسجد کو گھوڑوں کے اصطبل میں تبدیل کیا گیا۔ ہم حکومتِ پنجاب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس مجسمے کو فوری طور پر نہ صرف ہٹانے کے احکامات جاری کرے بلکہ اس مجسمے کو پاش پاش کر کے اپنا دینی فریضہ سرانجام دے۔ علاوہ ازیں اُن NGOs اور سیکولر عناصر کے خلاف بھی کارروائی کی جائے جنہوں نے مجسمہ نصب کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

تنظیمِ اسلامی پاکستان

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
امیر: حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

یہ اشتہار تنظیم اسلامی کی طرف سے 17 جولائی 2019ء کو دنیا، 92، اسلام اور Daily Time کے اخبارات میں بھی شائع کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	68
شمارہ :	8
ذُوالحجّہ	1440ھ
اگست	2019ء
فی شمارہ	40/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک	400 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
رابطہ برائے ادارتی امور: +92 322 4585384
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5
تنظیمِ اسلامی کی دعوتِ فکر اسلامی مہم
امیرِ تنظیم کا پیغام: رفقاءِ تنظیم کے نام — حافظ عاکف سعید

بیانُ القرآن 9
سورۃ المؤمن (آیات ۵۱ تا ۸۵) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

یادِ رفتگاں 22
شہیدِ قدسی، محمد مُرسیؒ — عبدالغفار عزیز

فکرِ فردا 29
آنے والے دَور کی ایک دھندلی سی تصویر — انجینئر مختار فاروقی

حقیقتِ ایمان 37
کیا رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے بغیر نجات ممکن ہے؟ — محمد سفیر الاسلام

تذکیر و موعظت 51
گناہوں سے بچنے کا حتمی نسخہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مطالعۂ قرآن حکیم 55
اسلام کی معاشرتی ہدایات — شجاع الدین شیخ

دعوتِ فکر 64
فتنۂ تصویر اور قحط الرجال — محمد رشید عمر

تذکّر و تدبّر 69
دورانِ تلاوت قرآن حکیم پر عمل کی فوری صورت — حافظ محمد مشتاق ربانی

آئینۂ ایّام 79
اُمّتِ مُسلمہ کا عروج و زوال — پروفیسر عبدالعظیم جانباز

سر زمینِ حجاز 89
مکہ اور مدینہ کے تاریخی مقامات — ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیمِ اسلامی کی دعوتِ فکرِ اسلامی مہم

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعیدحفظہ اللہ کا پیغام: رفقاءِ تنظیم کے نام

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ —— اَمَّابَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ —— بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾﴾ (السجدۃ)

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ﴾ (النحل:۱۲۵) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

عزیز رفقاءِ گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ تنظیم اسلامی یکم اگست سے بتوفیقِ الٰہی ’’دعوتِ فکرِ اسلامی مہم‘‘ کا آغاز کر رہی ہے‘ جس کا اختتام آخر اکتوبر میں ہو گا۔ ان شاء اللہ العزیز! اِس خصوصی مہم کا فیصلہ توسیعی مجلس عاملہ کے گزشتہ اجلاس میں کیا گیا تھا۔ مجھے اللہ کی رحمت سے کامل یقین ہے کہ جس طرح یہ فیصلہ اللہ ربّ العزت کی توفیق اور تائید سے ہوا‘ اُسی طرح یہ مہم بھی‘ ان شاء اللہ العزیز‘ ربِ ذوالجلال کی توفیق اور نصرت سے بھرپور اور مؤثر ثابت ہو گی۔ یاد رکھیے! اِس مہم کے حوالے سے میرے اور آپ کے کرنے کا اوّلین کام یہ ہے کہ ہم اپنی نیت کو خالص کریں۔ رضائے الٰہی کا حصول ہی ہمارا مطلوب ہو‘ خلوصِ دل سے دین کے جامع تصور کو وسیع پیمانے پر اپنے رشتہ داروں‘ پڑوسیوں اور حلقہ احباب تک پہنچانے کے لیے اپنی ذہنی اور جسمانی توانائیاں صرف کرنے کا عزم کریں۔ یہ ایک ایسی تجارت ہے جس میں خسارے کا کوئی امکان نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا نفع دنیا اور آخرت دونوں جگہ عطا فرمائے گا۔ دعوتی عمل کا ایک خوش آئند پہلو یہ بھی ہے کہ بالفرض آپ کی دعوتی مساعی کے باوجود بھی لوگ اگر اسے

سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تب بھی اس دعوتی مہم کے نتیجے میں‘ ان شاء اللہ‘ آپ کی اپنی ذات پر یہ فکر مزید نکھر کر سامنے آئے گا‘ اور اگر آپ کی مساعی کے نتیجے میں کچھ لوگوں کا فہمِ دین بہتر ہوتا ہے اور صحیح اسلامی فکر اُن پر واضح ہو جاتی ہے تو یقین رکھیے جو خیر آپ کے حصہ میں آئے گا عام انسان اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس حوالے سے مجھے نہایت شدت کے ساتھ وہ حدیث یاد آ رہی ہے جس کا ذکر بانی محترمؒ اکثر کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ’’اے علی! اگر تمہارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت سے نواز دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بڑھ کر دولت کے مترادف ہو گا‘‘۔ یاد رہے کہ سُرخ اونٹ عرب معاشرے میں نہایت قیمتی اثاثہ سمجھے جاتے تھے۔

رفقاءِ گرامی! حقیقت یہ ہے کہ یورپی اقوام بالخصوص انگریز کی طویل غلامی نے اسلام کی صحیح فکر کو شدید متاثر کیا ہے‘ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم پر اسلام دشمن یورپی قوتوں کا نظام مسلّط تھا۔ Law of the Land اُن کا نافذ تھا‘ پورا ریاستی نظام ان کے کنٹرول میں تھا۔ ہاں ذاتی معاملات یعنی پرسنل لاء کی حد تک مسلمانوں کو محدود مذہبی آزادی حاصل تھی‘ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ بحیثیت مجموعی قوم کے اذہان میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ دین و مذہب محض چند مراسمِ عبودیت اور اُس کی بعض مخصوص سماجی رسوم و رواج ادا کرنے کا نام ہے۔ مثلاً شادی اور فوتیدگی کے مواقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیے‘ بچہ پیدا ہو تو اُس کے کان میں اذان دے دو اور ساتویں دن رسم عقیقہ ادا کرو‘ وغیرہ وغیرہ۔ اس صورتِ حال کا مرثیہ علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کہا ہے:

مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

رفقاءِ گرامی! الحمدللہ‘ آپ پر دین کا جامع تصور بھی واضح ہوا ہے اور دینی فرائض کا شعور بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ آپ انہی دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے تنظیم میں شامل ہوئے ہیں‘ لیکن اِس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس حقیقی اسلامی فکر کو دوسرے لوگوں تک بھی پہنچایا جائے۔ رفقاءِ محترم! اسی جِدّوجُہد کا عنوان ہے: ’’فریضہ شہادت علی النّاس‘‘ جو

ہمارے بنیادی دینی فرائض میں سے ایک نہایت اہم فریضہ ہے۔

اُنھیں واشگاف انداز میں یہ بتایا جائے کہ ہمارا دین نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر ہر گوشے کا نہ صرف احاطہ کرتا ہے بلکہ تفصیلی رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ مطلوب تو یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کو اللہ اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزارے۔ اُس کی بودوباش ہو یا اخلاقی تقاضے ہوں‘ تجارتی لین دین ہوں یا باہمی تعلقات ومعاملات ہوں‘ سب کچھ دین اسلام کی تعلیمات اور اُصولوں کے مطابق ہوگا۔ اس سب پر مستزاد ہے شہادت علی الناس کی ذمہ داری۔ اقبال کا شعر بے ساختہ زبان پر آرہا ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

چنانچہ اس پاکیزہ طرزِ حیات کو اختیار کرنے کی دوسروں کو تلقین اور نصیحت بھی کرنا ہوگی۔ یہ اخوتِ باہمی اور بھائی چارے کا لازمی تقاضا بھی ہے۔ آج کے مادہ پرستانہ معاشرے میں یہ نابینا کو راستہ دکھانے کے بھی مترادف ہے۔ اسلامی تعلیمات اور دینی احکامات کی پابندی سے افراد کی اخلاقی اور فکری نمود ہوگی جس سے اُس صالح معاشرہ کے قیام کا راستہ ہموار ہو سکے گا جس کا خواب ہم ریاستِ مدینہ کے عنوان سے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کی اس ساری جِدوجُہد کا اصل مقصد ربِّ کائنات کی رضا کا حصول ہے۔ اس جدوجہد کا آخری مرحلہ اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کا مکمل نفاذ ہے۔ لیکن یہ جان لیجیے کہ اس جدوجہد کے ابتدائی مراحل میں دعوت کا مرحلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام پوری زندگی اپنی اپنی قوم میں دین کی دعوت کا عَلم بلند کرتے رہے ہیں۔

رفقاءِ محترم! بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ’’منہج انقلابِ نبوی‘‘ کے عنوان سے اسلامی انقلاب کا جو منہج وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور جو کتابی شکل میں بھی موجود ہے‘ اُس سے آپ سب بخوبی واقف ہیں اور ہمارا حسنِ ظن یہ ہے کہ آپ نے اس کا لفظ بہ لفظ مطالعہ کیا ہوگا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مراحل انقلاب میں پہلا مرحلہ دعوت ہی کا ہے جس کے ساتھ تربیت کا مرحلہ بھی جڑا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہم فی الوقت دعوت اور تربیت کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت ہماری زندگیوں میں لائے کہ ہم اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے عملی طور پر اقدام کے مرحلے تک پہنچ سکیں اور اپنا ہدیۂ جان

اللہ کے حضور پیش کر سکیں۔ لیکن جب تک وہ مرحلہ نہیں آتا‘ ہمیں خود کو دعوت وتربیت کے مراحل اور نظم کی پابندی تک محدود رکھنا ہوگا۔ یاد رکھیے! نظم کی پابندی کرنا اور عامۃ الناس کو صحیح اسلامی فکر کی دعوت دینا اپنی جگہ بہت بڑا جہاد ہے۔ فی الوقت ہمارے کرنے کا اصل کام یہی ہے۔ یاد رکھیے! پیچھے رہ جانا اور اپنے فرائض سے غفلت برتنا اگر قابلِ مذمت ہے تو نظم کی اجازت کے خلاف آگے بڑھنا اور اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھنا بھی درست طرزِ عمل نہیں۔ اِس حقیقت کو بھی اچھی طرح جان لیجیے کہ اسلامی انقلاب برپا کر دینا ہمارا مقصد اور ٹارگٹ تو ضرور ہونا چاہیے لیکن ہم انقلاب برپا کر دینے کے مکلّف نہیں‘ ہم کوشش کے مکلّف ہیں‘ لیکن یہ کوشش پورے خلوص سے اور دلی آمادگی بلکہ تَن مَن دھن سے ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

رفقاءِ محترم! یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ روزِ قیامت ہم سب اللہ کے ہاں فرداً فرداً پیش ہوں گے اور ہر شخص کا محاسبہ اُس کے علم اور اُس کی صلاحیت واستعداد کے مطابق ہوگا۔ اس حوالے سے اگر ہم نے دین کی دعوت کے ضمن میں کوتاہی کا معاملہ کیا تو اندیشہ ہے کہ ہم اللہ کے ہاں مجرم گردانے جائیں گے۔ ہاں‘ اگر ہم نے اس دینی فکر کا ابلاغ پوری محنت اور پورے خلوص سے کیا ہوگا تو ہم اللہ کی رحمت سے پُراُمید ہیں کہ وہ ہمیں آخرت میں سرخرو فرمائے گا۔ اور یاد رکھیے آخرت کی کامیابی ہی حقیقت میں اصل کامیابی ہے۔

اب میں آپ سے عرض کروں گا کہ آپ نے اس مہم کے حوالے سے کیا کچھ کرنا ہے اور اس کو کس انداز سے چلانا ہے:

(۱) پہلا اور اہم ترین کام یہ ہے کہ اس دعوتی مہم کے آغاز سے یکم اگست تک جو دن آپ کے پاس ہیں اُن سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے تنظیمی فکر کو ایک بار پھر تازہ کرنے کی خاطر بنیادی تنظیمی لٹریچر کا مطالعہ کریں۔

(۲) دعوت کو صرف مثبت انداز میں پیش کریں۔ کسی فرد‘ گروہ یا جماعت کی مخالفت میں کوئی بات نہ کریں۔

(۳) کوئی شخص اگر آپ کو سننے سے انکار کرتا ہے یا سننے کے بعد تنقید کرتا ہے یا طنز کے تیر برساتا ہے تب بھی آپ ’’اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ‘‘ پر عمل کرتے ہوئے اُس سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور ہرگز کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کریں۔ (باقی صفحہ 36 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ المُؤمِن

آیات ۵۱ تا ۶۰

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ﴿۵۱﴾
یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ الظّٰلِمِیۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾
وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡهُدٰی وَاَوۡرَثۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًی
وَّذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ
وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡکَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ
بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰهُمۡ ۙ اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ مَّا هُمۡ بِبَالِغِیۡهِ ۚ فَاسۡتَعِذۡ
بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ
خَلۡقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی
وَالۡبَصِیۡرُ ۬ۙ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الۡمُسِیۡٓءُ ؕ قَلِیۡلًا مَّا
تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡهَا وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا
یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ
عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ﴿۶۰﴾

آیت ۵۱ ﴿اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ﴿۵۱﴾﴾ ”ہم لازماً مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی‘ اور اُس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔“

آیت ۵۲ ﴿یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ الظّٰلِمِیۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ﴾ ”جس دن کہ ظالموں کو اُن کی معذرت

کچھ فائدہ نہ دے گی“

﴿وَلَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾﴾ ”اور ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے بہت بُرا گھر ہوگا۔“

آیت ۵۳ ﴿وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡهُدٰی وَاَوۡرَثۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ ﴿۵۳﴾﴾ ”اور ہم نے موسٰیؑ کو ہدایت دی تھی اور ہم نے وارث بنایا تھا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔“

آیت ۵۴ ﴿هُدًی وَّذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾﴾ ”جو ہدایت اور یاددہانی تھی ہوشمندوں کے لیے۔“

آیت ۵۵ ﴿فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے“

﴿وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ﴾ ”اور اپنے قصور کی معافی چاہیں“

اگر آپ خیال کرتے ہیں کہ کسی درجے میں بھی آپ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اللہ سے استغفار کیجیے۔ یہاں پر حضور ﷺ کے حوالے سے لفظ ”ذنب“ کے مفہوم اور اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ انبیاء کرام ؊ کی روحانی کیفیات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستقل استحضار کا مخصوص انداز اور معیار ہے۔ اگر استحضار کے اس مخصوص معیار میں کسی لمحے کوئی کمی آ جائے تو اپنے احساس کی شدت کی وجہ سے انہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ یہ گویا ”حَسَنَاتُ الابرارِ سیّئاتُ المُقرَّبین“ والا معاملہ ہے۔ یعنی مقربینِ بارگاہ کا مقام اتنا بلند ہے کہ عام آدمی کے معیار کی نیکی ان کے معاملے میں شاید کوتاہی شمار ہو جائے۔

﴿وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡکَارِ ﴿۵۵﴾﴾ ”اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے شام کو بھی اور صبح کو بھی۔“

آیت ۵۶ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰهُمۡ ۙ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات میں جھگڑے ڈالتے ہیں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو“

﴿اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ مَّا هُمۡ بِبَالِغِیۡهِ ۚ﴾ ”نہیں ہے ان کے دلوں میں کچھ مگر تکبر جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں۔“

ان کے دلوں میں صرف بڑائی کی خواہش ہے‘ جو کبھی پوری نہیں ہوگی۔

﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾۵۶ ’’پس آپ اللہ کی پناہ طلب کیجیے‘ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا‘ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۵۷ ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ ’’آسمانوں اور زمین کی تخلیق یقیناً زیادہ بڑا کام ہے انسانوں کی تخلیق سے‘‘

اس مفہوم کو جتنا آج ہم سمجھ سکتے ہیں آج سے چودہ سو سال پہلے انسان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس لیے کہ زمین و آسمان کی وسعتوں کے بارے میں آج کا انسان جو کچھ جانتا ہے اُس دور کا انسان تو اس کے مقابلے میں بہت کم جانتا تھا۔ یہ کائنات اس قدر وسیع و عریض ہے کہ سائنس کی تمام تر ترقی اور بڑی بڑی ٹیلی سکوپس (telescopes) ایجاد کر لینے کے باوجود آج کے سائنس دان یہ تک نہیں جان سکے کہ اس کائنات کا نقطہ آغاز کہاں ہے اور یہ ختم کہاں پر ہوتی ہے۔ تو جس اللہ نے اتنی وسیع کائنات تخلیق کی ہے اس کے لیے تمہاری تخلیق کیا معنی رکھتی ہے!

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾۵۷ ’’لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔‘‘

آیت ۵۸ ﴿وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۙ﴾ ’’اور برابر نہیں ہو سکتے اندھے اور آنکھوں والے‘‘

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ﴾ ’’اور (نہ برابر ہو سکتے ہیں) وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور وہ جو بدکار ہیں۔‘‘

﴿قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴾۵۸ ’’بہت ہی کم ہے جو کہ تم سبق حاصل کرتے ہو۔‘‘

آیت ۵۹ ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۫ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾۵۹ ’’(اور دیکھو!) یقیناً قیامت آ کر رہے گی اس میں کوئی شک نہیں ہے‘ لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔‘‘

آیت ۶۰ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ﴾ ’’اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو‘ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔‘‘

ابتدا میں بتایا گیا تھا کہ اس سورت کا مرکزی مضمون دعا ہے۔ چنانچہ نوٹ کیجیے یہاں پھر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میرے بندے ہو تو مجھ سے مانگو! انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اُس سے مانگا جائے تو اس پر گراں گزرتا ہے‘ جبکہ اللہ سے اگر نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ گویا عطائے

خداوندی خود سائلوں کی تلاش میں رہتی ہے ع ’’ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں!‘‘ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتے ہیں اور ایک ندا ہوتی ہے: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَاُعْطِیَهٗ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَاَتُوْبَ عَلَیْهِ، هَلْ مِنْ دَاعٍ فَاُجِیْبَهٗ (۱) ’’ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی گناہوں کی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی پکارنے والا کہ میں اس کی پکار قبول کروں؟‘‘

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴾۶۰ ’’یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبّر کی بنا پر اعراض کرتے ہیں وہ داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر۔‘‘

قبل ازیں عبادت اور دعا کے لازم و ملزوم ہونے کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے اور اس حدیث کا ذکر بھی ہو چکا ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا ہی اصل عبادت ہے۔ چنانچہ اس آیت میں یہ نکتہ مزید واضح ہو گیا ہے۔ یہاں پر پہلے دعا کا ذکر کیا گیا ہے (ادْعُوْنِیْٓ) اور پھر اسی کے لیے عبادت کا لفظ لایا گیا ہے۔ گویا اس آیت میں دعا اور عبادت مترادف الفاظ کے طور پر آئے ہیں۔

آیات ۶۱ تا ۶۸

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝۶۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ۝۶۲ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ
كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝۶۳ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا
وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۴ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا‘ باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل ...... ومسند احمد‘ کتاب باقی مسند المکثرین‘ باب باقی مسند السابق‘ ح ۹۲۲۰۔ راوی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ - واللفظ لہ۔

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ
اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ
اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾

آیت ۶۱ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ﴾ ’’اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن بنادیا ہے دیکھنے کے لیے۔‘‘

اُس نے رات کو تاریک بنایا ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اس میں کام کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾﴾ ’’یقیناً اللہ تو اپنے بندوں پر بہت فضل والا ہے‘ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔‘‘

آیت ۶۲ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ﴾ ’’وہ ہے اللہ تمہارا رب جو ہر چیز کا خالق ہے۔‘‘

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾ ’’اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ تو کہاں سے تم پھرائے جا رہے ہو!‘‘

آیت ۶۳ ﴿كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾﴾ ’’اسی طرح وہ لوگ بھی اُلٹے پھرائے گئے تھے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔‘‘

آیت ۶۴ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ ’’اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے بنادیا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت‘‘

﴿وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ ’’اور تمہاری صورت گری کی‘ تو کیا ہی عمدہ تمہاری صورتیں بنائیں‘‘

﴿وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ﴾ ’’اور تمہیں رزق بہم پہنچایا پاکیزہ چیزوں سے۔‘‘

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ ’’وہ ہے اللہ تمہارا رب!‘‘

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾﴾ ’’تو بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔‘‘

آیت ۶۵ ﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ’’وہ زندہ و جاوید ہستی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘‘

ایک وہی ذات ہے جو خود زندہ ہے‘ صرف اُسی کی حیات ذاتی ہے۔ باقی زندگی جہاں بھی ہے‘ جس شکل میں بھی ہے اُسی کی عطا کردہ ہے۔ ہمیں بھی زندگی کے یہ چار دن اُسی نے مستعار دیے ہیں۔ ع ’’عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن!‘‘

﴿فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ﴾ ’’پس اُسی کو پکارو! اُس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔‘‘

نوٹ کیجیے‘ پھر وہی حکم دہرایا جا رہا ہے کہ دُعا اُسی سے مانگو‘ وہ قبول بھی کرے گا‘ مگر شرط یہ ہے کہ تمہاری اطاعت خالص اُسی کے لیے ہونی چاہیے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾﴾ ’’کل حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔‘‘

آیت ۶۶ ﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے: مجھے تو روک دیا گیا ہے کہ میں بندگی کروں ان کی جن کو تم پکار رہے ہو اللہ کے سوا‘‘

آیت ۶۰ کی طرح یہاں بھی عبادت (اَعْبُدَ) اور دعا (تَدْعُوْنَ) کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

﴿لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ﴾ ’’جبکہ میرے پاس آ چکی ہیں واضح تعلیمات میرے رب کی طرف سے‘‘

﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾﴾ ’’اور مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں سرِتسلیم خم کر دوں تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔‘‘

جہاں تک سورۃ المؤمن میں توحیدِ عملی کے داخلی پہلو یعنی دعا کے مضمون کا تعلق ہے وہ اس سورت کی آیت ۶۵ پر اختتام پذیر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اس سورت میں بھی انہیں مضامین کی جھلک نظر آئے گی جو عام طور پر مکی سورتوں میں آئے ہیں۔ البتہ یہاں پر یہ مضامین قدرے مختلف اسلوب اور ترتیب میں نظر آئیں گے۔ ان ہی مضامین میں سے ایک انسان کی تخلیق کا ذکر ہے:

آیت ۶۷ ﴿هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پہلے مٹی سے' پھر نطفے سے' پھر علقہ سے''

عَلَقَہ کے لغوی معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی دوسری چیز کے ساتھ معلّق ہو۔ اس لفظ میں بچے کی تخلیق کے حوالے سے دوسرے مرحلے کی کیفیت بیان ہوئی ہے جب نطفہ رحمِ مادر کی دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے ___ لفظ ''عَلَقَہ'' کی مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۴ کی تشریح۔

﴿ثُمَّ يُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا﴾ ''پھر وہ تمہیں نکال لیتا ہے ایک بچے کی حیثیت سے''

﴿ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ﴾ ''پھر (تمہیں پروان چڑھاتا ہے) تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی کو''

﴿ثُمَّ لِتَكُوۡنُوۡا شُيُوۡخًا ۚ﴾ ''پھر (تمہیں مزید عمر دیتا ہے) تاکہ تم ہو جاؤ بوڑھے۔''
یعنی حیاتِ انسانی کا دورانیہ (life cycle) عام طور پر اسی نہج پر چلتا ہے۔

﴿وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''اور تم میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہیں اس سے پہلے ہی وفات دے دی جاتی ہے''

بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو بڑھاپے کی عمر تک نہیں پہنچ پاتے۔ کوئی بچپن میں فوت ہو جاتا ہے اور کوئی جوانی میں۔

﴿وَلِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝﴾ ''اور (بعض کو مہلت دیتا ہے) تاکہ تم ایک وقتِ معیّن کو پہنچ جاؤ اور (یہ اس لیے ہے) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

چاہے کوئی بچپن میں ہی انتقال کر جائے' کوئی جوانی میں فوت ہو یا کوئی بہت طویل عمر پائے' ہر شخص نے اپنی موت تک بہرصورت زندہ رہنا ہے اور ہر شخص کی موت کا وقت اللہ کے ہاں مقرر اور طے شدہ ہے۔

آیت ۶۸ ﴿هُوَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۚ﴾ ''وہی ہے جو زندہ رکھتا ہے اور موت وارد کرتا ہے۔''

﴿فَاِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝﴾ ''چنانچہ (اُس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ) جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

آیات ۶۹ تا ۷۸

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا
بِالۡكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ
اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسۡحَبُوۡنَ ۝ فِى الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ ۝ ثُمَّ
قِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ۝ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ
نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡـًٔـا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ ذٰلِكُمۡ بِمَا
كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ ۝ اُدۡخُلُوۡۤا
اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ۝ فَاصۡبِرۡ اِنَّ
وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا
يُرۡجَعُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ
وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا
بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَـقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ۝

آیت ۶۹ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں!''

اَلَمۡ تَرَ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہوگا کہ کیا تم نے دیکھا نہیں؟ لیکن اس کا مفہوم یہی ہے کہ کیا تم نے غور نہیں کیا؟

﴿اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ ۝﴾ ''وہ کہاں سے پھرائے جا رہے ہیں؟''

یعنی وہ حق کے قریب پہنچ کر واپس پلٹ گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں محمد ﷺ کا دور نصیب ہوا' آپؐ کے ساتھ ایک شہر اور ایک جگہ اکٹھے رہنے کا موقع ملا۔ لیکن ان کی بدقسمتی

ملاحظہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے انعام کے باوجود بھی یہ لوگ ہدایت سے محروم رہ گئے۔ مقامِ عبرت ہے! دیکھو یہ لوگ کہاں تک پہنچ کر ناکام لوٹے ہیں: ؎

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا!

آیت ۷۰ ﴿الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۰﴾ ''وہ لوگ کہ جنہوں نے جھٹلایا کتاب کو اور ان چیزوں کو جن کے ساتھ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو، تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

بس کچھ ہی وقت کی بات ہے، اصل حقیقت ان پر منکشف ہو جائے گی۔

آیت ۷۱ ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝۷۱﴾ ''جب ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے، (اس حالت میں) انہیں گھسیٹا جائے گا۔''

آیت ۷۲ ﴿فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝۷۲﴾ ''کھولتے پانی میں، پھر انہیں آگ میں جھونک دیا جائے گا۔''

آیت ۷۳، ۷۴ ﴿ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۷۳ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''پھر ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک بنایا کرتے تھے اللہ کے سوا؟''

﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ﴾ ''وہ کہیں گے: سب گم ہو گئے ہم سے، بلکہ ہم نہیں پکار رہے تھے اس سے پہلے کسی بھی شے کو۔''

اے اللہ! آج اس وقت ہم پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ جنہیں معبود سمجھ کر ہم پکارا کرتے تھے ان کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۴﴾ ''اسی طرح اللہ بھٹکا دیتا ہے کافروں کو۔''

آیت ۷۵ ﴿ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝۷۵﴾ ''اور یہ سب اس لیے ہوا کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے اور اس لیے بھی کہ تم اکڑا بھی کرتے تھے۔''

تم لوگ دنیا کے مال و متاع پر خواہ مخواہ اکڑفوں دکھاتے تھے۔ گویا تم ہلدی کی گانٹھ مل

جانے پر پنساری بن بیٹھے تھے۔ حالانکہ دنیا میں تمہارا وہ سارا مال و متاع ہمارا ہی عطا کیا ہوا تھا جس پر اترانے اور فخر جتلانے کا تمہیں کوئی حق نہیں تھا۔

آیت ۷۶ ﴿اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ﴾ ''اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔''

﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۶﴾ ''تو یہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے متکبرین کا۔''

اب اگلی آیت میں حضور ﷺ سے خطاب کر کے آپؐ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے:

آیت ۷۷ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے، یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے۔''

اللہ کا وعدہ ہے کہ اُس کا دین ضرور غالب ہو گا: ﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲﴾ (طٰہٰ) ''ہم نے یہ قرآن آپؐ پر اس لیے تو نازل نہیں کیا کہ آپؐ ناکام ہو جائیں'' (معاذ اللہ!)

﴿فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ ''تو اگر ہم آپؐ کو دکھا دیں اس میں سے کچھ جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں''

یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آ چکا ہے کہ جس عذاب کے بارے میں انہیں خبردار کیا جا رہا ہے وہ ان پر آپؐ کی زندگی میں بھی آ سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر وہ برا وقت آپؐ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آئے۔

﴿فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝۷۷﴾ ''پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

مجھے انہیں پکڑنے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ وہ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ انہوں نے آنا تو بہرحال میرے ہی پاس ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ﴾ ''اور ہم نے بہت سے رسول بھیجے آپؐ سے پہلے، ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ سے کیا ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا۔''

یعنی ان رسولوں میں سے بعض کے حالات آپ کو سنا دیے ہیں اور بعض کے نہیں سنائے۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ ’’اور کسی بھی رسول کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ وہ کوئی نشانی لے آتا مگر اللہ کے اذن سے۔‘‘

کبھی کوئی رسول اپنی مرضی اور ذاتی کوشش سے اپنی قوم کو کوئی معجزہ نہیں دکھا سکا۔ یہ مضمون اکثر مکی سورتوں میں آیا ہے۔ گویا اس مضمون کی ڈور کا تسلسل زیر مطالعہ مکی سورتوں میں بھی نظر آ رہا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٧٨﴾﴾ ’’پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو فیصلہ چکا دیا گیا حق کے ساتھ اور اُس وقت خسارے میں پڑ گئے جھٹلانے والے۔‘‘

آیات ۷۹ تا ۸۵

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ
فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ
تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ
مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾
فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ
وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ
سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

آیت ۷۹ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾﴾ ’’اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنا دیے تاکہ تم سواری کرو ان میں سے بعض پر اور ان میں سے بعض کا تم گوشت بھی کھاتے ہو۔‘‘

آیت ۸۰ ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ﴾ ’’اور ان میں تمہارے لیے اور بھی بہت سی منفعتیں ہیں‘‘

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ النحل میں بہت تفصیل سے آ چکا ہے۔

﴿وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾﴾ ’’اور تاکہ ان پر سوار ہو کر تم اپنی وہ ضرورتیں پوری کرو جو تمہارے دل میں ہوتی ہیں اور اُن پر بھی اور کشتیوں پر بھی تمہیں سوار کرایا جاتا ہے۔‘‘

آیت ۸۱ ﴿وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾﴾ ’’اور وہ تمہیں اپنی آیات دکھاتا رہتا ہے‘ تو تم اللہ کی کون کون سی آیات کا انکار کرو گے؟‘‘

گزشتہ تین آیات میں آیاتِ آفاقیہ کا ذکر ہوا۔ اب آگے ’’ایام اللہ‘‘ یعنی عبرت آموز تاریخی حقائق کا تذکرہ ہے۔

آیت ۸۲ ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ’’تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں کہ غور کرتے کہ کیسا انجام ہوا اُن کا جو ان سے پہلے تھے!‘‘

﴿كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ ’’وہ ان سے کہیں زیادہ تھے تعداد میں اور زیادہ شدید تھے طاقت میں بھی اور زمین میں نشانات چھوڑنے کے اعتبار سے بھی‘‘

﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾﴾ ’’تو ان کے کچھ کام نہ آیا وہ سب کچھ جو وہ کماتے رہے تھے۔‘‘

ان کے یہ سارے کارنامے اور ساری کمائی انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

آیت ۸۳ ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ’’تو جب آ گئے ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر‘‘

اَلْبَیِّنٰت سے مراد حسی معجزات بھی ہیں اور واضح تعلیمات اور دلائل بھی۔

﴿فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾﴾ ’’تو وہ اتراتے رہے اسی پر جو بھی علم ان کے پاس تھا اور گھیرے میں لے لیا انہیں اُسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔‘‘

وہ لوگ اپنے آبائی عقائد و توہمات پر جمے رہے اور انہی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے

رہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس حق کا بھی مذاق اڑایا جو ان کے رسولوںؑ نے ان کے سامنے پیش کیا اور عذاب کی وعیدوں کا بھی جس سے انہیں خبردار کیا گیا۔ بالآخر انہیں اپنے کرتوتوں کی سزا مل کر رہی۔

آیت ۸۴ ﴿فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗ﴾ ’’پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تب انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اللہ واحد پر‘‘

تب کہنے لگے کہ اب ہم توحید کے قائل ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

﴿وَ کَفَرۡنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشۡرِکِیۡنَ ﴿۸۴﴾﴾ ’’اور ہم نے انکار کیا ان (معبودوں) کا جنہیں ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے رہے تھے۔‘‘

آیت ۸۵ ﴿فَلَمۡ یَکُ یَنۡفَعُہُمۡ اِیۡمَانُہُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ﴾ ’’تو پھر ان کا ایمان لانا ان کے لیے ہرگز مفید نہیں ہوا جبکہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔‘‘

عذاب کے واضح آثار سامنے آ جانے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور ایسے وقت کا ایمان اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے اور اس قانون سے استثناء نوعِ انسانی کی پوری تاریخ میں صرف ایک ہی قوم کو ملا اور وہ تھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم۔ اس استثناء کا ذکر ہم سورۂ یونس کی آیت ۹۸ میں پڑھ چکے ہیں۔ دراصل حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی واضح اجازت آنے سے پہلے ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ چنانچہ نبیؑ کے کھاتے میں جو debit آیا وہ قوم کے لیے credit بن گیا۔ جدید اکاؤنٹنگ کے ماہرین خوب جانتے ہیں کہ ایک طرف کا debit دوسری طرف کا credit کیسے بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے واضح آثار دیکھ لینے کے بعد توبہ کر لی اور ان کی یہ توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

﴿سُنَّتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِہٖ ۚ وَ خَسِرَ ہُنَالِکَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ ’’یہ اللہ کا وہ دستور ہے جو اُس کے بندوں میں جاری رہا ہے‘ اور اُس وقت کافر لوگ خسارے میں رہے۔‘‘

واقعہ یہ ہے کہ اصل خسارہ تو کافروں ہی کے لیے ہے۔ ۞۞۞

شہیدِ قدسی‘ محمد مرسیؒ

عبدالغفار عزیز☆

جب سے مصر کے واحد منتخب صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد مرسی کی شہادت کی خبر ملی‘ تو دنیا میں ان کے آخری لمحات کی تفصیل کا انتظار تھا۔ الحمدللہ‘ شہید کی اہلیہ محترمہ نجلاء محمد مرسی سے فون پر گفتگو ہوئی‘ اور پھر ان کے صاحبزادے احمد محمد مرسی سے بھی رابطہ ہوا‘ وہ بتا رہے تھے کہ:

’’ہمیں والد صاحب کی وفات کے دس گھنٹے بعد جیل میں ان کی میت کے پاس لے جایا گیا اور چہرے پر پڑی چادر ہٹائی گئی‘ تو ہم سب کو ایک دھچکا لگا‘ اور چہرے پر شدید تناؤ‘ غصے اور بیماری کے اثرات نمایاں تھے۔ ہم نے مغفرت کی دُعائیں کرتے ہوئے‘ وہاں بڑی تعداد میں موجود فوجی اور پولیس افسروں سے کہا کہ وہ تجہیز و تکفین کے لیے اہلِ خانہ کو ان کے ساتھ اکیلے چھوڑ دیں‘ جسے انہوں نے مان لیا۔ اُس ربّ کی قسم! جس نے یہ کائنات پیدا کی‘ جیسے ہی جنرل سیسی کے وہ گماشتے کمرے سے نکلے‘ ہم سب حیران رہ گئے کہ ابو کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہونا شروع ہو گئے۔ تناؤ کی بجائے سکون اور پیلاہٹ کے بجائے نور طاری ہونے لگا۔ یہ کوئی ابو کی کرامت نہیں‘ اللہ کی طرف سے ہم سب کے لیے بشارت اور ڈھارس کا سامان تھا۔ گویا ابو نے صرف اپنی حیات ہی میں ان جابروں کے سامنے جھکنے سے انکار نہیں کیا تھا‘ اپنی وفات کے بعد بھی وہ ان کے مظالم پر احتجاج کر رہے تھے۔‘‘

’’گزشتہ تین برس سے قید میرے بھائی اسامہ محمد مرسی کو بھی تجہیز و تکفین اور جنازے میں شرکت کے لیے اسی اثناء میں اجازت دے دی گئی۔ ہم نے مل کر ابو کو غسل دینا شروع کیا‘ ابو کے چہرے پر اطمینان اور مسکراہٹ میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ ادھر ہم غسل و کفن دے کر فارغ ہوئے ادھر مؤذن نے فجر کی اذان بلند کی۔ یہ ہمارے لیے ایک اور بشارت تھی‘ کیونکہ ابو نے جب سے ہوش سنبھالا تھا‘ انہوں نے کبھی فجر کی اذان گھر میں نہیں سنی تھی۔ وہ اذانِ فجر سے کافی پہلے مسجد چلے جاتے تھے۔ اب وہ گزشتہ چھ سال

☆ نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان

سے قید تنہائی میں تھے‘ تو وہاں بھی خود ہی اذان دیتے اور خود ہی اکیلے با آوازِ بلند نماز ادا کرتے تھے۔ ہم اہل خانہ نے جیل میں باجماعت نمازِ فجر ادا کی‘ پھر اکیلے ہی وہیں ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور سخت فوجی پہرے میں ان کی میت لے کر قبرستان روانہ ہو گئے۔‘‘

’’ابو کی وصیت تھی کہ انہیں ان کے بزرگوں کے ساتھ مصر کے ضلع شرقی کے آبائی گاؤں میں دفن کیا جائے‘ مگر جنرل سیسی نے اس وصیت پر عمل درآمد کی اجازت نہ دی اور قاہرہ کے مضافات میں واقع النصر شہر کے قبرستان میں تدفین کا حکم سنایا۔ یہاں اللہ نے ہمیں ایک اور بشارت سے نوازا۔ ہم نے انہیں الاخوان کے سابق مرشد عام محمد مہدی عاکف کے پہلو میں دفن کیا۔ ہم نے ابو کو قبر میں لٹانے کے بعد آخری بار چہرہ دیکھا‘ تو اب وہ بلا مبالغہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ ابو کی تدفین کے لیے جیسے ہی مرحوم مرشد عام محمد مہدی عاکف کی قبر کھولی گئی تو اس دن کی آخری بشارت عطا ہوئی (واضح رہے کہ مصر میں قبریں زمین میں کھود کر نہیں‘ قبروں کے حجم کے چھوٹے کمرے بنا کر اس کے کچے فرش پر میت سپرد خاک کر دی جاتی ہے اور دروازہ اینٹوں سے چن دیا جاتا ہے)۔ دو سال قبل ابو ہی کی طرح جیل میں بیماریوں اور حکمرانوں کی سفاکی کا شکار ہو کر جامِ شہادت نوش کر جانے والے مرشدِ عام کا جسد خاکی‘ دو سال بعد بھی بالکل اسی طرح تر و تازہ اور کفن اسی طرح اُجلا اور سلامت تھا۔ ابو کو ان سے خصوصی محبت تھی۔ ابو سے ہماری آخری ملاقات گزشتہ سال ستمبر میں ہوئی تھی۔ صرف ۲۰ منٹ کی اس ملاقات میں بھی انہوں نے سب سے پہلے مرحوم محمد مہدی عاکف صاحب کی صحت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ ہم نے جب انہیں بتایا کہ وہ تو تقریباً ایک سال قبل اللہ کو پیارے ہو گئے تھے‘ تو ابو کو بہت دکھ ہوا۔ وہ ان کے لیے دُعائیں کرتے رہے اور پھر کہنے لگے ان شاء اللہ حوضِ نبی ﷺ پر اکٹھے ہوں گے۔ اب اللہ نے دونوں کو قبر میں بھی تاقیامت اکٹھا کر دیا‘ ان شاء اللہ جنتوں میں بھی اکٹھے رہیں گے۔‘‘

مصر کے واحد منتخب صدر محمد مرسی کی وفات کے بعد ہر روز ان کی کوئی نہ کوئی خوبی اور نیکی دنیا کے سامنے آ رہی ہے۔ ان کی صاحبزادی شیما نے بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

’’صدر منتخب ہونے کے بعد وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی عزت و وقار کے بارے میں پہلے سے بھی زیادہ حساس ہو گئے تھے۔ ایک روز نماز جمعہ کے لیے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اچانک ان کے سیکریٹری کا فون آیا کہ: ’’امریکی صدر اوباما کے دفتر سے

فون آرہا ہے‘ وہ ابھی اسی وقت ۱۰ منٹ کے لیے آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے دفتر والے بتا رہے ہیں کہ پھر اس کے بعد صدر اوباما کے پاس وقت نہیں ہو گا‘‘۔

صدر محمد مرسی نے کہا: ’’انہیں بتا دیں کہ اس وقت میرا اپنے اللہ سے ملاقات کا وقت طے ہے‘ اس وقت بات نہیں ہو سکتی۔ اگر آج ان کے پاس وقت نہیں ہے‘ تو میں بھی فارغ ہو کر جب وقت ہو گا انہیں اطلاع کروا دوں گا۔ انہیں یہ بھی بتا دیں کہ یہ رابطہ ۱۰ منٹ نہیں صرف پانچ منٹ کے لیے ہو سکے گا‘‘۔ اتنا کہہ کر ابو نے فون بند کر دیا۔

میں یہ سن کر اور ابو کو دیکھ کر ہنس دی‘ تو وہ کہنے لگے کہ: ’’یہ لوگ ہمارے ساتھ غلاموں کی طرح کا سلوک کرتے ہیں۔ اب مصر کو ایک آزاد مسلم ملک کی طرح جینا سیکھنا ہو گا۔‘‘

ایک جانب وہ عالمی طاقت کے سربراہ کے سامنے اس قدر خود دار تھے‘ تو دوسری جانب اپنے بھائیوں اور عام مسلمانوں کے سامنے اتنے ہی منکسر المزاج۔ اُردن کے ایک شہری کا کہنا ہے کہ: ’’صدر محمد مرسی کی شہادت کے وقت میں جرمنی میں تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ پھلوں کے ایک چھوٹے سے کھوکھے کے باہر ان کی تصویر آویزاں ہے۔ مجھے تعجب ہوا اور میں کھوکھے کے اندر چلا گیا۔ اندر دیکھا تو اس دکان والے نے صدر مرسی کے ساتھ اپنی کئی اور تصاویر لگائی ہوئی تھیں۔ میں نے تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا کہ صدر مرسی جرمنی کے دورے پر آرہے تھے۔ میں نے آمد سے ایک روز قبل سفارت خانے فون کر کے بتایا کہ میں فلاں کھوکھے کا مالک بول رہا ہوں۔ مصر کا ایک مسیحی ہوں اور صدر مرسی سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ سفارت خانے والوں نے میرا نمبر لے کر فون بند کر دیا۔ اگلی صبح میں نے دکان کھولی تو اس وقت ششدر رہ گیا کہ صدر مرسی کسی پروٹوکول کے بغیر خود میرے کھوکھے کے باہر کھڑے تھے۔ مجھے لے کر ساتھ والے چائے خانے پر بیٹھ گئے اور پوچھا کہ کیوں یاد کیا تھا؟ میں نے کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ آپ کی جیت کے بعد مصر کے قبطی مسیحیوں کے بارے میں تشویش بڑھ گئی ہے۔ کہنے لگے بیرون ملک مقیم ایک مسیحی بھائی کا پیغام ملنے پر میں خود حاضر ہو گیا ہوں تو بھلا مصر کی ۱۰ فی صد مسیحی آبادی کے بارے میں کیسے تساہل برت سکتا ہوں؟ بس اس کے بعد سے صدر محمد مرسی میرے ہیرو ہیں۔‘‘

امریکا میں دورانِ تعلیم ان کے رہائشی علاقے میں رہنے والے ایک سعودی دوست نے بتایا کہ: ’’امریکی یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کے بعد انہیں اسی یونی ورسٹی میں تدریس کی شان دار ملازمت مل گئی۔ دورانِ تعلیم اور پھر یونی ورسٹی کے پروفیسر بن جانے کے بعد بھی‘ وہ اپنی

اہلیہ کے ہمراہ نمازِ فجر سے پہلے مسجد آ جاتے تھے۔ میاں بیوی مل کر مسجد کے طہارت خانوں سمیت مسجد کی صفائی کرتے‘ نمازِ تہجد پڑھتے اور باجماعت نمازِ فجر کے بعد گھر واپس جاتے۔ کبھی یہ بھی ہوتا کہ مؤذن یا امام صاحب بروقت نہ پہنچ پاتے تو حافظِ قرآن محمد مرسی ہی اذان یا امامت کے فرائض انجام دیتے۔‘‘

شہید صدر کو یہ تواضع اور انکساری اپنے والدین سے حاصل ہوئی تھی۔ تمام اہل قصبہ باہم محبت میں گندھے ہوئے تھے۔ ان کے والد صاحب کا نام محمد تھا۔ اس نام سے انہیں اتنی محبت تھی کہ انہوں نے سب سے بڑے بیٹے کا نام بھی محمد ہی رکھا۔ ان کے تمام ذاتی کاغذات میں اور صدر منتخب ہونے کے اعلان کے وقت بھی جب ان کا مکمل نام پکارا گیا‘ تو یہی تھا: محمد محمد مرسی عیسٰی العیاط۔

۱۹۹۵ء اور ۲۰۰۰ء میں ہونے والے انتخابات میں انہوں نے الاخوان المسلمون کی طرف سے حصہ لیا اور حسنی مبارک حکومت کی تمام تر دھاندلی کے باوجود رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ ۲۰۰۵ء کے انتخابات میں پھر حصہ لیا۔ انہیں تمام اُمیدواران میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل ہوئے۔ ان کے اور دوسرے نمبر پر آنے والے اُمیدوار کے ووٹوں میں بہت واضح فرق تھا‘ لیکن حسنی مبارک انتظامیہ نے نتائج تسلیم کرنے کے بجائے‘ ان کے حلقے میں دوبارہ انتخاب کروا دیے اور پھر ان کے بجائے ان سے ہارنے والے کو کامیاب قرار دے دیا گیا۔ دنیا کے بہترین پارلیمنٹیرین کا اعزاز پانے والے جناب محمد مرسی کا ’’جرم‘‘ یہ تھا کہ گزشتہ دو اَدوار میں انہوں نے حکومتی وزراء کی کارکردگی اور ملک میں جاری کرپشن کا کڑا مواخذہ کیا تھا۔ انہوں نے ۲۰۰۴ء میں دیگر جماعتوں کے ساتھ مل کر ایک قومی پلیٹ فارم تشکیل دیا۔ جنوری ۲۰۱۱ء میں جب مصری عوام کی بے مثال قربانیوں اور جدوجہد کے نتیجے میں حسنی مبارک کا ۳۰ سالہ دور ختم ہوا‘ تو ڈاکٹر محمد مرسی نے ملک کی ۴۰ دیگر سیاسی جماعتوں کو ساتھ ملاتے ہوئے ’’جمہوری اتحاد برائے مصر‘‘ تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۳۰/اپریل ۲۰۱۱ء کو الاخوان المسلمون کی مجلس شوریٰ نے اپنی سیاسی جدّوجُہد کے لیے ’’آزادی اور انصاف پارٹی‘‘ کے نام سے الگ جماعت بنانے اور ڈاکٹر محمد مرسی کو اس کا سربراہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس پارٹی نے تمام تر اندرونی و بیرونی سازشوں کے باوجود پارلیمانی انتخابات میں واضح کامیابی حاصل کی۔

ان کی دینی‘ سیاسی اور پارلیمانی صلاحیتوں کی طرح ان کی تعلیمی اور تدریسی صلاحیتوں کی شہرت بھی اتنی نمایاں تھی کہ جب ۱۹۸۵ء میں مصر واپس آ کر الزقازیق یونی ورسٹی میں تدریس کی خدمات انجام دینے لگے‘ تو انہیں کئی عالمی یونی ورسٹیوں اور اداروں نے مشورے اور مختلف تحقیقی منصوبوں میں شرکت کے لیے مدعو کیا۔ خود ’’ناسا‘‘ نے بھی مختلف تجربات میں انہیں شریک کیا۔

۳۰ جون ۲۰۱۲ء سے ۳ جولائی ۲۰۱۳ء تک کے اپنے ایک سالہ دورِ اقتدار میں‘ صدر محمد مرسی کو اصل مقتدر قوتوں کی طرف سے شدید مزاحمت اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ملک میں اچانک گیس اور تیل کا بحران کھڑا کر دیا گیا۔ یہ مصنوعی بحران پیدا کرنے کے لیے کئی بار یہ ہوا کہ تیل سپلائی کرنے والے ٹینکروں کو صحرا میں لے جا کر ان کا تیل بہا دیا گیا۔ گیس کے سلنڈر اور چینی بڑے بڑے گوداموں میں ذخیرہ کر دی گئی۔ ایک غیر جانب دار تحقیقی ادارے کی جانب سے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق ان کے دورِ اقتدار کے ایک سال کے دوران ان پر تین بار قاتلانہ حملوں کی سازشیں پکڑی گئیں۔ منظم مخالفانہ ابلاغی مہمات چلائی گئیں۔ پھر جب ان تمام سازشوں کے نتیجے میں مصری تاریخ کے اکلوتے منتخب صدر کا تختہ اُلٹ دیا گیا تو چند گھنٹوں میں لوڈشیڈنگ‘ گیس و پٹرول کی فراہمی سمیت سارے مسائل کسی جادوئی چھڑی سے حل ہونے لگے۔ چند نمایاں ممالک کی طرف سے بھی اربوں ڈالر اور مفت تیل کے عطیات کی بارش ہونے لگی۔ یہ الگ بات ہے کہ آج تک اربوں ڈالروں کی جاری بارش کے باوجود مصر مسلسل تباہی اور ناقابلِ بیان اقتصادی بدحالی کا شکار ہے۔

صدر محمد مرسی نے اپنے ایک سالہ دور میں کرپشن‘ قومی خزانے سے لوٹ مار اور ظلم و جبر کے خاتمے اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے وہ بنیادی اقدام اُٹھائے تھے کہ اگر وہ اپنا عہدِ صدارت مکمل کر لیتے تو مصر اس وقت یقیناً ایک جبر و استبداد اور تباہی و بدحالی کی علامت بن جانے کے بجائے آزادی و خوش حالی کی راہ پر گامزن ہو چکا ہوتا۔ یہی ان کا بنیادی جرم تھا۔ لیکن ان کا اصل اور سنگین جرم یہ تھا کہ وہ پڑوس میں واقع سرزمین قبلۂ اول پر صہیونی قبضہ کسی صورت تسلیم کرنے والے نہیں تھے۔ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کا وہ ویڈیو کلپ آپ آج بھی سن سکتے ہیں‘ جس میں وہ کہہ رہے ہیں کہ: ’’ہم نے صدر مرسی سے رابطہ کر کے معاملات طے

کرنے کی کوشش کی تھی‘ لیکن انہوں نے ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے ’مصری دوستوں‘ کے ساتھ مل کر ان کا تختہ اُلٹ دیا۔‘‘

صدر محمد مرسی نے اپنے ایک سالہ دورِ اقتدار ہی میں ملک کو وہ دستور دیا‘ جس کی تیاری میں بلا مبالغہ ملک کے تمام نمائندوں کو شریک کیا گیا۔ ۱۰۰ رکنی دستوری کونسل نے ایک ایک شق پر باقاعدہ ووٹنگ کرواتے ہوئے ۲۳۶ شقوں پر مشتمل دستوری مسودہ تیار کیا۔ اصل مقتدر قوتوں کی سرپرستی میں اس کے خلاف بھی طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ سپریم دستوری عدالت نے نومنتخب قومی اسمبلی صدارتی انتخاب سے چند گھنٹے قبل تحلیل کر دی۔ اب سازش یہ تھی کہ نہ صرف نومنتخب سینیٹ بھی توڑ دی جائے‘ بلکہ صدر کا انتخاب بھی چیلنج کرتے ہوئے ملک وقوم کی سب قربانیاں خاک میں ملا دی جائیں۔ اس موقعے پر مجبور ہو کر صدر نے ایک چار نکاتی آرڈی ننس جاری کیا‘ جس کے اہم ترین نکات دو تھے۔ عوامی ریفرنڈم کے ذریعے دستور کی منظوری تک سینیٹ کو نہیں توڑا جاسکتا اور دستور منظور ہونے تک صدر کے کسی فیصلے کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ بس اسی آرڈی ننس کو آج تک بعض لوگ صدر مرسی اور اخوان کی فرعونیت کا الزام لگاتے ہوئے جھوٹے پروپیگنڈے کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ صدر نے دستوری کونسل کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں اس آرڈی ننس کا جائزہ لے کر جو بھی فیصلہ کرے گی‘ انہیں منظور ہوگا۔ کونسل نے آرڈی ننس منسوخ کرنے کی سفارش کی تو صدر نے آرڈی ننس منسوخ کر دیا تھا۔

شہید صدر کی اہلیہ نے درست کہا کہ بظاہر صدر محمد مرسی کو چھ سال قید تنہائی اور مظالم کا نشانہ بنایا گیا ہے‘ لیکن عملاً انہوں نے سات سال یہ ظلم وستم برداشت کیا۔ صدارت کا ایک سال بھی درحقیقت قید ہی کا ایک سال تھا۔

المیہ یہ ہے کہ مصر کو خاک وخون میں نہلا دینے اور ناکامی ونامرادی کی بدترین مثال بنا دینے والے حکمران اس موقعے پر بھی شہید صدر پر اعتراضات کا وہی راگ الاپ رہے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت مصری وزیر اوقاف کی طرف سے مساجد کے تمام ائمہ وخطباء کے نام جاری حکم نامے کی کاپی پڑی ہے۔ حکم یہ جاری کیا گیا ہے کہ: ’’خطبۂ جمعہ میں سابق صدر محمد مرسی کے جرائم پر تفصیل سے بات کی جائے‘ اور بلند آواز میں اس کے لیے بددعائیں کی

جائیں‘ تاکہ اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو‘‘—— تمام عمر قرآن کے زیر سایہ گزارنے والا صدر محمد مرسی تو اب ان ظالموں کے ہر ستم سے آزاد و بالاتر ہوگیا‘ لیکن یہ حکم نامہ خود ان ظالم حکمرانوں اور ان کے بدقسمت دلالوں کا قبیح چہرہ بے نقاب کر رہا ہے۔

مصری عوام کو صدر محمد مرسی کی نماز جنازہ کی اجازت نہیں دی گئی‘ لیکن وہ شاید تاریخ حاضر کی اکلوتی شخصیت ہیں کہ دنیا بھر میں لاکھوں نہیں کروڑوں اہل ایمان نے جن کی غائبانہ نمازِ جنازہ سب سے زیادہ مرتبہ ادا کی۔ بددعاؤں کا سرکلر جاری کرنے والے وزیر اور اس کے روسیاہ آقا جنرل سیسی کو شاید یاد نہیں رہا کہ دُعا اور بددُعا کا تعلق سرکلر سے نہیں‘ دلوں سے ہوتا ہے اور آج اللہ نے دنیا بھر میں اپنے شہید بندے کے لیے محبت واحترام کی ہوائیں چلا دی ہیں۔ یہی اس کا وعدہ بھی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝۹۶﴾ (مریم)

’’یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔‘‘

ایک اہم اور تلخ ترین حقیقت یہ بھی ہے کہ مظلوم صدر محمد مرسی تو اپنی نیکیوں اور خطاؤں سمیت اللہ کے حضور پہنچ گئے۔ اب وہ ہر طرح کے ظلم وستم سے بھی نجات پا گئے‘ لیکن اس لمحے بھی مصر کی جیلوں میں ۶۰ ہزار سے زائد بے گناہ قدسی نفوس گزشتہ چھ سال سے بدترین مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ان میں ہزاروں کی تعداد میں عالمی جامعات سے فارغ التحصیل اعلیٰ تعلیم یافتہ اور حفاظ کرام بھی شامل ہیں۔ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور خواتین بھی۔ اب تک ان میں سے ۹۰۰ کے قریب قیدی تشدد اور مظالم کی وجہ سے شہید ہو چکے ہیں۔ یہ ۶۰ ہزار فرشتہ سیرت انسان عالمی ضمیر کے منہ پر مصری آمر کی جانب سے ایک طمانچہ ہیں۔ کیا حقوقِ انسانی‘ توہینِ رسالت تک کی اجازت چاہنے کے لیے آزادیٔ رائے کی دہائیاں دینے والے عالمی ادارے‘ اس پر بھی زبان کھولیں گے؟

(تشکر: ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور‘ جولائی ۲۰۱۹ء)

❁❁❁

اُمتِ مُسلمہ، مسلمانانِ پاکستان اور مشرقِ وسطیٰ
''آنے والے دور کی ایک دھندلی سی تصویر''
قرآن اور حدیث کی روشنی میں

انجینئر مختار فاروقی☆

۞ انسان ایک ایسی باشعور مخلوق ہے جو بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ صدیوں سے مصروفِ عمل ہے۔ کوئی انسان اپنے ماحول سے کلیۃً لاتعلق نہیں رہ سکتا، بلکہ ہر انسان خارجی حالات کے تحت اور گردوپیش میں آنے والی (فطری اور انسانی محنت سے آنے والی) تبدیلیوں کے تناظر میں سوچتا اور منصوبے بناتا ہے۔ تاریخِ انسانی میں کسی انسان اور قوم کی کامیابی اور ناکامی کا سبب بالعموم (استثنائی حالات کو چھوڑ کر) خارجی متوقع حالات و واقعات کا صحیح اور کماحقہ اندازہ لگا سکنے یا نہ لگا سکنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۞ انفرادی انسانی سطح پر اور ملکوں (یا قوموں) کی سطح پر بھی جذبۂ عمل اور محنت کا تسلسل ہی کامیابی کی ضمانت بنتا ہے۔ آج کا کام کل پر چھوڑنا اپنی کامیابی کے امکانات کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ زندہ، متحرک اور مصروفِ عمل لوگ ہی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

۞ روئے ارضی پر آنے والے حوادث، واقعات، جنگیں اور تبدیلیاں جن عوامل کی بنیاد پر رونما ہوتی ہیں، ان میں سے بعض قدرتی عوامل ہیں اور بعض انسانی تدبیر، سوچ اور انسانی رویوں کے مرہونِ منّت ہیں۔

۞ انفرادی سطح پر خارجی حالات اور تبدیلیوں سے انسان کا متاثر ہونا micro سطح کا ہوتا ہے، جبکہ قومی اور ملکی سطح پر یہ اثرات اسی تبدیلی کے macro لیول پر گمبھیر نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔

☆ مدیر مسئول ماہنامہ حکمتِ بالغہ جھنگ

۞ انفرادی عقل (عقل عام یا common sense) کا تقاضا بھی یہی ہے اور ملکی، قومی، ملی اور عالمِ اسلام کے اجتماعی مفادات کے حصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اپنے گردوپیش میں مستقبل قریب میں آنے والی تبدیلیوں سے نہ صرف آگہی حاصل کریں اور باخبر ہوں بلکہ مثبت طور پر مستقبل بینی سے کام لے کر ہر شعبۂ زندگی میں ان کے اثراتِ بد سے بچنے اور ان کو counter کرنے کے لیے ضروری اقدامات کریں۔

گزشتہ ڈیڑھ صدی کے عالمی حالات میں
مشرقِ وسطیٰ کی تزویراتی اہمیت

۞ آج کے (کسی بھی ملک کے) نوجوان کے لیے یہ بات انہونی اور ناقابلِ فہم ہے کہ صرف ۲۵۰ سال قبل دنیا میں سب سے بڑی سلطنت، مسلم سلطنتِ عثمانیہ تھی جو روس کے اکثر علاقہ جات، مشرقی یورپ، مشرقِ وسطیٰ، جنوبی ایشیا اور پورے برِّاعظم افریقہ پر محیط تھی۔

۞ حیران کن بات یہ ہے کہ جس طاقت نے بھی حالیہ براعظموں کی حدود مقرر کی ہیں اس نے ایشیا میں واقع ہونے کے باوجود روس اور سائبیریا کو یورپ میں شامل کیا ہے تاکہ ایک مخصوص عالمی طبقہ کا نسلی تحفظ کیا جا سکے۔

۞ Samuel P.Huntington نے اپنی کتاب ...... ''تہذیبوں کا تصادم'' (The Clash of Civilizations) میں لکھا ہے کہ:

> ''......۱۵۰۰ء سے ۱۷۵۰ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافے پر تھا جس کو ''فوجی انقلاب'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقدار یا مذہب میں برتری کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا تھا کہ منظم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی (کیا رومی اور یونانی طرز کا یہ تشدد دہشت گردی نہیں تھا؟ ادارہ)۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کرتے۔''

ان غیر متمدن علاقوں پر قبضہ کے بعد اس یورپی استعمار نے عالمِ اسلام سے ٹکر لی۔ روس

نے سلطنتِ عثمانیہ کے علاقہ جات پر قبضہ کیا اور پہلی جنگ عظیم تک مشرقی یورپ تک سارا علاقہ چھین لیا۔ یورپی طاقتوں نے براعظم افریقہ عثمانی حکمرانوں سے لے لیا۔ جنوبی ایشیا میں اس یورپی صہیونی استعمار نے آہستہ آہستہ پاؤں پھیلائے اور سپین میں مسلمانوں کے زوال کے بعد ۱۸۰۲ء تک مشرقِ بعید کے ساتھ برما سے افغانستان تک کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ یقیناً ایک Master Mind اس کے پیچھے تھا۔

مشرقِ وسطیٰ جو سلطنتِ عثمانیہ کا مرکز اور مسلمانوں کا علاقہ تھا اس میں سازشوں کے جال بن دیے گئے اور پہلی جنگ عظیم کے بعد سارا مشرقِ وسطیٰ سلطنتِ عثمانیہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ترکی کے نام سے مختصر سا ملک صہیونی جمہوری ریاست کے طور پر برائے نام اسلامی ملک باقی رہ گیا۔ یورپی استعمار نے ترکی کو آئندہ ایک صدی تک دبائے رکھنے کے اقدامات کیے۔ چین کو جنوبی ایشیا میں مداخلت سے روکنے کے لیے ہانگ کانگ پر قبضہ کیا اور ایک صدی اپنے پاس رکھ کر ۱۹۹۷ء میں آزاد کیا۔

✿ صدیوں پہلے ایک خاص ذہنیت کے ایک اقلیتی گروہ نے روسی اقوام کو اپنے ساتھ ملا کر اس کو اپنے بارہ قدیم روایتی قبائل میں اضافہ کر کے تیرہویں قبیلہ کا نام دیا اور ان کو front line پر رکھ کر یورپ اور عالمِ اسلام پر مسلط کر دیا۔ مسلمان عوام سے بالخصوص اور باقی دنیا سے بالعموم اپنے عزائم اور ابلیسی منصوبوں کو خفیہ رکھنے کے لیے حد درجہ اخفاء سے کام لیا اور تاریخ، علم اور مغربی یونیورسٹیوں کی سطح پر اعلیٰ تعلیم کو بھی کنٹرول کیا کہ ان کی شناخت، منصوبے اور عملی اقدامات کی کسی قوم اور کسی دانشور کو ہوا نہ لگے۔ روسی علاقہ جات کا ایک خاندان Rothchild تھا، جس کا مطلب سیدھا سیدھا بنی راتھ یا راتھ کے بچے ہے، اس کو راتھ شیلڈ بنا کر ڈیڑھ صدی تک عوام کو اس تک رسائی اور پہچان کو خفیہ رکھا گیا۔

✿ دوسری جنگ کے بعد UNO کے نام سے ایک ادارہ بنایا گیا جس میں مسلم علاقوں اور مسلمان اُمت کو دبانے کے لیے پہلے تو پانچ ممالک کو (جو اسلام دشمنی، خدا بیزاری، وحی دشمنی میں سب سے آگے اور یہود کے جدی پشتی 'وفادار' تھے) دائمی طور پر اس جمہوری اقدار کی صدی میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے مسلط کر دیا گیا تاکہ اپنا اسلام دشمن ایجنڈا بلا خوفِ تردید و تنقید و مزاحمت نافذ کیا جا سکے۔

✿ اس پر مزید دنیا پر قبضے کے اپنے اس منصوبے کی تکمیل کے لیے ہر غیر انسانی اور غیر اخلاقی رویہ اختیار کیا گیا، بلکہ انسان دشمن، اخلاق دشمن اور خدا بیزار اقدار کو فروغ دے کر انسانیت کو معاشی حیوان بنا دیا گیا، اور آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے نام پر مختلف عالمی تہذیبوں کے خزانے لوٹ کر باقی تعمیرات اور چند کھنڈرات کو قومی ورثہ اور World Heritage کے نام سے کمائی کا ذریعہ بنایا گیا اور ساری اقوامِ عالم کو آسمانی ہدایت اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حتمیت اور ختمِ نبوت کے تصور سے دور رکھنے کے لیے ان کھنڈرات اور بت پرستی پر تحقیق کے نام سے backward looking بنا دیا گیا اور آپس میں لڑا کر وطنیت اور سیکولر لبرل اور جمہوری ریاست کا تصور دیا گیا۔

✿ قدیم زمانے میں پتھر کے بُت پوجے جاتے تھے، تہذیبی سنگ تراشوں نے پوسٹ ماڈرن دور میں 'نئے بُت تراشے' اور ایسے ابلیسی نظریات کے بُت' انسانی تہذیب و ثقافت اور تعلیم پر مسلط کر دیے۔ ایک سیکولر، لبرل اور Democratic ریاست کا تصور عصر حاضر کا سب سے بڑا بت بنا کر دنیا کو اس میں اُلجھا دیا گیا ہے۔ NASA کی خلائی تحقیق کی سب سے بڑی دوربین کا نام ایک مشہور بت کے نام پر رکھا ہے۔

یورپی امریکی استعمار کے اس سارے ڈرامے کا ایک ڈراپ سین آنے کو ہے۔ ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۸ء کا عرصہ اس منصوبے کے انتظامات کو آخری شکل (finishing touches) دینے کا عرصہ تھا۔ ہر عروج کے بعد ایک زوال ہے۔ اور اب مغربی استعمار کے اس چھ صدیوں کے سفر کا اختتامی مرحلہ آ پہنچا ہے۔

✿ اس مرحلہ پر اسرائیل نام کے ملک کے ذریعے مشرقِ وسطیٰ کے تمام ممالک میں ایک جنگ کا منصوبہ ہے، جس میں دراصل مسلمان ہی 'سبز چارہ' کے طور پر عالمی غاصب مقتدر قوتوں کے سامنے ڈال دیے جائیں گے۔ مسلمان ممالک کے حکمران، متوقع حکمران (جمہوری اپوزیشن، اشرافیہ، متمول تاجر اور دانشور) پہلے ہی مغرب کے ہاتھوں میں یرغمال ہیں، وہ مغرب کے اس منصوبے کو آگے بڑھانے میں اس کے معاون ہوں گے۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کا موجودہ حالات کا vision: ایک لمحہ فکریہ

✿ موجودہ عالمی منظر نامے (scenario) کا ہر دیکھنے والی آنکھ کا اپنا ایک زاویۂ نگاہ ہے

اور اسے اپنے رخ پر ہی حالات کا منظر نظر آتا ہے‘ مگر یہ سب ایک بڑی عالمی حقیقت کا ایک جزوی تصور ہے جو ہر ملک اپنے طور پر دیکھ رہا ہے۔

مسلمانوں کے رہبر و رہنما اور آخری پیغمبر حضرت محمدﷺ نے —— جو اللہ کے آخری پیغمبر ہیں —— اپنے فرامین میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے ان حالات میں بعض ہدایات دی ہیں اور بعض events پر روشنی ڈالی ہے جو اس حالیہ عالمی منظر نامہ کی گہرائی (depth) اور گیرائی کو visualise کرنے میں نہایت مدد اور معاون ہے۔

۞ آپﷺ کی تعلیمات‘ قرآن اور نظریات سے دنیا کے ۸۰ فیصد لوگوں کو اختلاف ہے (مسلمان دنیا میں صرف ۲۰ فیصد ہیں) مگر آپﷺ کے vision‘ تجزیہ اور معلومات کی sharpness اور اس کے زمینی حقائق کے مطابق ہونے کے بارے میں شاید ہی کوئی معقول انسان اختلاف کر سکے۔ آپﷺ کے فرامین کے مطابق موجودہ scenario میں مشرقِ وسطیٰ اور اس کے قرب و جوار کے ممالک میں مندرجہ ذیل واقعات کا ظہور ہونے والا ہے۔ (یہ تحریر تفصیلی دلائل کی متحمل نہیں ہے۔ حکمتِ بالغہ کے سابقہ شماروں اور کُتبِ احادیث میں موجود ہیں۔)

۱) عالمِ عیسائیت اور مسلمانوں کی معتبر اور مقدس شخصیت حضرت عیسٰیؑ ۳۳ء میں (غالباً) آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے‘ وہ اب دمشق میں ایک نشان زدہ جگہ پر اترنے والے ہیں۔ وہ اپنی آمد کے بعد ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے دمشق (شام) سے بذریعہ زمینی راستہ کے اسرائیل کے دارالحکومت تک پہنچ جائیں گے۔ وہ پیغمبر ہیں اور ان کے پاس (حضرت موسٰیؑ کی طرح) بے پناہ غیر مرئی قوتیں ہوں گی جو ظہور پذیر ہوں گی۔

۲) بنی اسرائیل (یہود) کے اکثر لوگوں نے حضرت عیسٰیؑ کو نہیں پہچانا تھا‘ لہٰذا وہ آج بھی اپنے ہاں عیسٰیؑ (جن کا لقب ’مسیح‘ ہے) کے نام سے ایک نبی یا رسول کے منتظر ہیں۔ ’غالباً‘ اصفہان کے یہودیوں کے ہاں یہ ’مثیلِ مسیح‘ یا ’جدید مسیح‘ کا ظہور جلد ہی ہونے والا ہے۔

۳) اصفہان (ایران) کے اس شہر سے ہی مسلمانوں کے نزدیک ایک ’دجّال‘ نکلے گا جو دمشق سے ظہور پذیر ہونے والے حضرت عیسٰیؑ کا سخت مخالف اور دشمن (Anti Christ) ہوگا۔ وہ اصفہان سے ظاہر ہو کر مختلف ممالک (افغانستان‘ خراسان‘ کشمیر‘ وغیرہ) سے ہوتا ہوا اسرائیل کے دارالحکومت اور بیت المقدس کا رخ کرے گا۔ اس کے پاس بے پناہ مادی وسائل

اور ٹیکنالوجی ہوگی۔

۴) حضرت عیسٰیؑ جو زمین پر موجود ہوں گے‘ ان سے دجال کی جنگ ہوگی‘ ٹیکنالوجی اور معجزات کا ٹکراؤ ہوگا۔ ’سٹار وار‘ اپنی انتہا پر آ جائے گی۔ دجال کے لیے برمودہ مثلث میں چھپی طاقت کے باوجود وہ شکست کھا جائے گا اور حضرت عیسٰیؑ اسرائیل کے ایئر بیس لُد (Lydda) کے main gate پر دجال کو قتل کر دیں گے اور یہ جنگ جیت جائیں گے۔

’دجال‘ لقب کا یہ ہیرو غالباً یہود میں سے ہوگا۔

۵) اصفہان شہر سے ہی ایک تیسری عالمی شخصیت‘ مسلمانوں میں شیعہ مسلک کے اثنا عشری لوگوں کے ہاں امام منتظر (بارھواں امام) ظہور پذیر ہوں گے۔ (اصفہان شہر میں ’امام اسکوائر‘ ان کے لیے انتظارگاہ کے طور پہلے ہی صدیوں سے موجود ہے۔)

۶) یہ سارے واقعات صہیونی ایجنڈا کے مطابق ۲۰۱۹ء میں شروع ہو کر اگلے دس سالوں میں مکمل ہونے والے ہیں۔

۷) سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰﷺ کے فرامین کے مطابق (ایک حدیث میں اسی طرح آیا ہے) مصر کی اسلامی یونیورسٹی جامعہ الازہر قاہرہ کے پروفیسر امین محمد جمال الدین نے اس ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث مبارک اپنی کتاب ’’ہرمجدون‘‘ (Armageddon) میں نقل کی ہے‘ جس میں حضورﷺ کا ارشاد پاک ہے:

’’چودھویں صدی ہجری ☆ختم ہونے کے تین دہائیوں کے بعد (۱۴۳۰ھ کے) آخری زمانہ میں الملحمۃ الکبریٰ (جنگ عظیم) برپا ہوگی۔ اسی دوران مہدیٔ امین کا ظہور ہوگا۔ وہ دنیا بھر کی باطل طاقتوں سے جنگ کرے گا۔ اللہ کے مغضوب وملعون وکفار سب اس کے خلاف متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان میں وہ (اُس وقت کے ترقی یافتہ ممالک) بھی شامل ہوں گے جو نفاق وکذب کی حدِکمال تک پہنچے ہوئے ہوں گے.........‘‘۔ اہلِ سُنّت کے تصور کے مطابق یہ مہدیٔ امین مکہ میں ظاہر ہوں گے اور حضرت عیسٰیؑ کے شانہ بشانہ مصروفِ عمل ہوں گے۔

(☆ یہ بات یاد رہے کہ رسول اللہﷺ کی زبان مبارک سے ۱۴۰۰ سال کے بعد تین دہائیوں کا مطلب آپﷺ کی وفات سے ۱۴۳۰ سال بعد ہوگا (واللہ اعلم!) اس لیے کہ سن ہجری تو حضرت عمرؓ کے دورِ مبارک میں جاری کیا گیا۔ اس طرح آج ۱۴۴۰ھ ہے‘ جس کا مطلب آپﷺ کی وفات کو ۱۴۲۹/۱۴۳۰ء سال ہو گئے ہیں۔ گویا اب اہل سنت کے تصور کے

مطابق کوئی شخص ظہور پذیر ہوگا جس کے لیے ایک عالمی جنگ کا میدان بالکل تیار ہے اور حالات حدیث کے مطابق ہیں۔)

۸) گویا آنے والے دنوں میں (گزشتہ چند سالوں سے جاری کوششوں سے) ایران کو عالمی اہمیت حاصل ہوگی اور وہاں سے تین عالمی شخصیات ظاہر ہوں گی۔ یہودیوں کا 'مسیح'، اہلِ سُنّت کی روایات کے مطابق دجال اور شیعہ مسلک کی روایات کے مطابق 'بارہواں امام'۔ یہ تینوں شخصیات ایک ہی وقت میں ظاہر ہوں گی یا یکے بعد دیگرے' یہ بات روایات میں واضح نہیں۔

۹) حضرت مسیح علیہ السلام دمشق سے نکلیں گے' جبکہ 'مثیل مسیح' اصفہان سے۔ 'دجال' بھی اصفہان سے ظاہر ہوگا' جس کے بعد ایک عالمی جنگ ہوگی' جو طویل عرصے جاری رہے گی اور تاریخ انسانی کی سب سے بڑی جنگ ہوگی۔

مسیحی روایات کے مطابق یہ جنگ (Armageddon) خیر اور شر کی قوتوں کے درمیان تاریخ کی سب سے بڑی جنگ ہوگی' جس میں بالآخر 'خیر' غالب آجائے گا۔ اسلامی روایات میں اس جنگ کو الملحمة الكبرىٰ اور الملحمة العظمىٰ کہا گیا ہے۔

۱۰) ترمذی شریف کی ایک عبارت (روایت) کے مطابق قربِ قیامت میں ایسے حالات پیدا ہوں گے جس میں سارے عرب ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ اس بڑی جنگ کے دوران ہوگا (واللہ اعلم!) آج کی مسیحی دنیا اس بڑی جنگ کو آخری صلیبی جنگ یا پانچویں صلیبی جنگ کا نام دیتی ہے۔

حاصل کلام

اوپر درج گزارشات سامنے لانے کا حاصل یہ ہے اس جنگ کے دوسرے فریقوں کی طرح ہم مسلمانوں کو آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں اور کان کھلے رکھ کر گرد و پیش میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا بغور مشاہدہ کرنا چاہیے' اور خالصتاً اسلام اور مسلمان کی حیثیت سے سوچ کر صحیح فیصلوں تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

۱۱) ان عالمگیر واقعات کے بعد ہی ایک ایسی صورت حال پیدا ہوگی جس میں عالمی صہیونی قوتوں کا دباؤ ختم ہو جائے گا اور پاکستان میں (غالباً) 'حقیقی ریاستِ مدینہ' کے قیام کی راہ ہموار ہوگی۔ مغربی قوتوں کے آلہ کار نمائندے اور نمک خوار آنے والی جنگ میں دمشق سے ظاہر ہونے والے 'حضرت عیسیٰ علیہ السلام' کی بجائے اصفہان سے نکلنے والے 'دجال' کی حمایت کریں گے

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں شکست کھا کر ختم ہو جائیں گے۔ (ان شاء اللہ!)

۱۲) ان سطور کا مدعا صرف مستقبل کے چند واقعات' جن کا ذکر دنیا کے سب سے سچے انسان سیّدنا حضرت محمد ﷺ نے کیا ہے' وہ سامنے لانا تھا (کسی کو نیچا دکھانا مقصود نہیں ہے) تاکہ ہم سب آنے والے برسوں میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے لیے ذہناً تیار رہ سکیں اور اپنے دین و ایمان کا بچاؤ کر سکیں اور مستقبل قریب میں ہونے والی گروہ بندی میں صحیح کیمپ کا انتخاب کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ آنے والے واقعات میں ہمیں حضرت محمد ﷺ کے فرامین کے مطابق حق کا ساتھ دینے' حق پر قائم رہنے اور اسلام کے لیے اپنی صلاحیتیں لگانے کی توفیق عطا فرمائے' آمین!

❁❁❁

بقیہ: عرضِ احوال

(۴) انفرادی یا اجتماعی دعوت کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جس سے عوام کو تکلیف پہنچے۔ (مقامات یا اوقاتِ کار کے حوالے سے)

(۵) فقہی مسائل پر گفتگو کرنے سے مکمل اجتناب کریں اور دعوتی گفتگو میں فرقہ وارانہ مباحث سے گریز کریں۔

(۶) عوامی اجتماعات میں ثقیل زبان اور غامض علمی اصطلاحات سے گریز کریں۔ ایسی باتیں لوگوں کو کنفیوز کر دیتی ہیں۔

(۷) مہم کے دوران ہر حال میں سمع وطاعت کا مظاہرہ کریں۔ اگر کسی کو عارضی طور پر آپ کا امیر مقرر کیا گیا ہو تب بھی اُس کی سنیں اور مانیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم نے اُس کی تائید و توفیق کے حوالے سے دعوتی مہم کا جو عزم کیا ہے' اللہ تعالیٰ اس کام میں ہماری مدد فرمائے اور ہماری مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

نوٹ: امیر تنظیم اسلامی کا یہ پیغام ویڈیو کی صورت میں بھی موجود ہے۔

❁❁❁

کیا رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے بغیر نجات ممکن ہے؟

محمد سفیر الاسلام

بعض جدّت پسندوں کی آراء اور ان کا جائزہ

نیاز فتح پوری نے لکھا ہے:

’’محمد ﷺ پر ایمان نجات کے لیے ضروری نہیں۔‘‘(۱)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے اپنی کتاب ’ایک اسلام‘ میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے‘ صرف خدا اور آخرت پر یقین ہی دنیاوی اصلاح اور اخروی فلاح کے لیے کافی ہے۔(۲)

غلام احمد پرویز نے لکھا ہے:

’’رسول اس پیغامِ ازلی کو انسانوں تک پہنچانے کا واسطہ ہے...... اطاعت صرف خدا کی ہوسکتی ہے‘ رسول ﷺ کی نہیں۔‘‘(۳)

’’اطاعت صرف خدا کی ہوسکتی ہے کسی انسان کی نہیں‘ حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت نہیں کرا سکتا۔‘‘(۴)

جاوید غامدی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جنت میں جانے کا معیار قرآن میں بیان ہے: خدا اور آخرت پر یقین‘ اچھے اعمال کرنا اور جرائم سے دور رہنا‘ خواہ وہ مسلمان ہو‘ یہودی ہو یا کسی بھی مذہب کو ماننے والا‘ جنت کا حق دار ہے۔‘‘(۵)

سرورِ کونین ﷺ: اُسوۂ حسنہ تو ہیں‘ اُسوۂ کاملہ نہیں؟

’’مولانا وحید الدین خان کے باطل افکار کا علمی جائزہ‘‘ نامی کتابچے میں پروفیسر خالد حامدی‘ مدیر ماہنامہ ’اللہ کی پکار‘ بھارت لکھتے ہیں:

’’وحید الدین خان نے اپنے رسالے ماہنامہ ’الرسالہ‘ نئی دہلی‘ جون ۲۰۰۷ء کے شمارے میں صفحہ ۲۶ پر ’مسیحی ماڈل کی آمدِ ثانی‘ میں اپنے قارئین کے سامنے یہ انکشاف فرمایا تھا: اللہ کے رسول ﷺ کا اُسوہ ’اُسوۂ حسنہ‘ تو ہے ’اُسوۂ کاملہ‘ نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کو نظریاتی طور سے فائنل پیغمبر تو مانا جائے گا‘ لیکن عملی طور سے آپ کو فائنل ماڈل سمجھنا اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ قانونِ فطرت کی تنسیخ کے ہم معنی ہے‘ اس لیے اب اس زمانے میں جزوی طور سے محمدی ماڈل قابلِ انطباق (applicable) نہ رہے گا‘ اس کے بجائے مسیحی ماڈل جزوی طور سے قابلِ انطباق ہو جائے گا۔‘‘

اس طرح وحید الدین خان نے اسلام کے عقیدۂ رسالت‘ ختمِ نبوت اور اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے تکمیلِ دین پر انتہائی خطرناک کاری وار کیا ہے۔ یہ خیالات صریحاً رسالتِ محمدی ﷺ کے انکار پر مبنی تھے جنہیں شانِ رسالت میں گستاخی سے تعبیر کیا گیا۔

اس کے بعد ’الرسالہ‘ نئی دہلی‘ اکتوبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں بھی (صفحہ ۱۰ پر) وحید الدین خان نے پھر اپنے اسی فاسد خیال کو غلط طور پر کچھ مثالیں دے کر انتہائی بھونڈے طریقے سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اسوہ ’اُسوۂ حسنہ‘ تو ہے لیکن ’اُسوۂ کاملہ‘ نہیں ہے‘ یعنی اس دور میں اللہ کے رسول ﷺ کا اُسوہ ہماری رہنمائی نہیں کر پا رہا ہے۔ آپ ﷺ کے اُسوہ میں قابلِ تقلید عناصر نہیں ہیں‘ اس لیے جزوی طور سے ہی سہی‘ محمدی ماڈل کے بجائے مسیحی ماڈل‘ مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیے‘ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اُسوہ اُسوۂ کاملہ نہیں۔ یعنی بصورت دیگر نعوذ باللہ آپ ﷺ کا اُسوہ ’اُسوۂ ناقصہ‘ ہے‘ اس لیے اب مسلمانوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں (followers) کے ساتھ مل کر مسیحی ماڈل کی پیروی کرنا چاہیے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ کا حوالہ دیتے ہوئے موصوف (وحید الدین خان) فرماتے ہیں:

’’دین ہدایت کے اشتراک کے باوجود ہر نبی کو ایک ایسی چیز بھی دی گئی جو دوسرے نبیوں سے مختلف تھی۔ قرآن کے الفاظ میں یہ ’منہاج‘ ہے۔ منہاج سے مراد وہی چیز ہے جس کو ہم طریق کار (method) کہتے ہیں‘ یعنی ہر نبی کا دین نظریاتی اعتبار سے ایک تھا‘ لیکن اس کے انطباق کے معاملے میں زمانی حالات کے اعتبار سے مختلف طریقے اختیار کیے گئے ہیں...... آپ (ﷺ) بلاشبہ آخری پیغمبر (final Prophet) تھے‘ لیکن ہر صورت کے لیے آخری نمونہ (final model) نہ تھے‘ چنانچہ قرآن میں

آپ (ﷺ) کے لیے اُسوۂ حسنہ کا لفظ آیا ہے' نہ کہ اُسوۂ کاملہ کا (الاحزاب:۲۱)۔کسی پیغمبر کو فائنل ماڈل سمجھنا خدا کے قائم کردہ قانونِ فطرت کی تنسیخ کے ہم معنی ہے۔ایسی تنسیخ ممکن نہیں' اس لیے پیغمبر کا فائنل ماڈل ہونا بھی ممکن نہیں۔ فائنل پراڈکٹ کا تعلق دین کے نظریاتی حصے سے ہے اور نظریاتی اعتبار سے بلاشبہ ایک پیغمبر فائنل ہو سکتا ہے' اس لیے عملی اعتبار سے کوئی ایک پیغمبر فائنل ماڈل نہیں بن سکتا۔قرآن کی اصطلاح کے مطابق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ پیغمبر اسلام ﷺ 'الدین' کے اعتبار سے فائنل پیغمبر تھے' لیکن 'منہاج' کے اعتبار سے آپ فائنل ماڈل نہ تھے۔'' (ص ۵۔۸)

اسی طرح ان سیکولر حضرات کے نزدیک رسالت یا نبوت خود ساختہ ادارے ہیں' جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ان کی فکر یہ ہے کہ محمد ﷺ پیغمبر اور رسول نہیں ہیں' بلکہ محض مصلح (reformer) ہیں۔(۶)

قرآن کا صریح اعلان

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۸﴾ (الاعراف)

''(اے محمد ﷺ) کہہ دو: اے انسانو! میں تم سب کی طرف پیغمبر ہوں اس اللہ کا جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے' اور پیروی اختیار کرو اِس کی' امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔''

یا جیسے سورۃ البقرۃ میں بنی اسرائیل کو باقاعدہ مخاطب کر کے صاف صاف یہ فرمانا: ﴿وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠﴾ (آیت ۴۱) ''اور ایمان لاؤ میری اس تنزیل پر جو تمہارے پاس پہلے سے موجود (صحیفوں) کی تصدیق میں ہے' اور سب سے پہلے تم ہی اس کے کافر نہ بن جاؤ۔''

قرآن کریم میں لفظ ایمان کا استعمال پورے اسلام کے عنوان کے طور پر ہوا ہے اور اس کا لغوی معنی مراد نہیں' بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے۔اصطلاح میں ایمان کہتے ہیں آنحضرت ﷺ

کی رسالت کا اقرار کرنے کے بعد' ان کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور قیامت کے احوال وواقعات پر صدقِ دل سے ایمان لانا اور اُخروی زندگی سدھارنے کے لیے شریعتِ محمدی ﷺ کے موافق زندگی بسر کرنا۔یہی وجہ ہے کہ علامہ آلوسی نے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہ کی تفسیر بالدخول فی ملّة الاسلام (دخولِ اسلام) سے فرمائی۔(۷)

علاوہ ازیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے مدعیانِ ایمان سے ایمان کی نفی فرمائی ہے جو ذاتِ الٰہی اور آخرت پر صدقِ دل سے ایمان رکھتے تھے' لیکن آنحضرت ﷺ کی رسالت کے منکر تھے۔یعنی ان کا ایمان لغوی ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ موجود تھا' لیکن ایمان اصطلاحی نہ تھا' بنابریں ان کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸﴾ (۸)۔ جو کوئی اللہ کی نازل فرمودہ آخری کتاب قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتا' اور اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کی رسالت کا بھی انکاری ہے' اور اِس بات پر ایمان نہیں رکھتا کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور آخری رسول تھے' اُن کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں تھا' اور نہ ہی ہونے والا ہے' اور اللہ کے احکام اور وحی کے مطابق ہی محمد ﷺ کے کیے ہوئے حلال وحرام کو حلال وحرام نہیں مانتا' تو وہ اللہ کے ہاں کافر ہے' اور دُنیا میں بھی اُس کا شمار کافروں میں ہی ہے۔

احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا' لیکن میں تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''(۹)

سیدنا علی ؓ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو بھیج دے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تابع داری میں لگ جائے۔''(۱۰)

حضرت محمد ﷺ کے عالمگیر پیغمبر کی حیثیت سے آجانے کے بعد اللہ کی کامل اطاعت اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینے کی کوئی صورت اس کے سوا باقی ہی نہیں رہ جاتی کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے اور آپ ﷺ ہی کی پیروی کی جائے۔کیوں کہ قرآن کے اندر اللہ تعالیٰ صراحت کے ساتھ یہ منادی کر چکا ہے کہ یہ رسالت ساری دنیا کے لیے' اور ہمیشہ کے

لیے ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس رسالت پر ایمان نہیں لاتا‘ یا آپ ﷺ کو سچا رسول تسلیم کرنے کے باوجود آپ ﷺ ہی کی پیروی کا راستہ اختیار نہیں کرتا تو یہ اللہ کی کامل اطاعت نہیں‘ بلکہ اپنے نفس کی کامل اطاعت ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی ٹھہرے گی۔

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس عمر ؓ آئے اور کہا: ہمیں یہودیوں کی کچھ باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں تو اس پر آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ کیا ان میں سے کچھ ہم لکھ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’کیا تم بھی گمراہی کے گڑھے میں گرنا چاہتے ہو جیسے یہود و نصاریٰ (اپنی کتابوں کو چھوڑ کر) گڑھے میں گر گئے تھے؟ میں تمہارے پاس وہ شریعت لایا ہوں جو سورج کی طرح روشن اور آئینے کی طرح صاف ہے‘ اور اگر موسیٰ علیہ السلام بھی (اس دنیا میں) زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔‘‘(۱۱)

اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا جلیل احسن ندوی اپنی کتاب ’’راہِ عمل‘‘ کے صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں:

’’یہودیوں نے اپنی کتاب تورات کی تعلیم کو بگاڑ ڈالا تھا‘ لیکن اس میں بگاڑ ہی بگاڑ نہ تھا‘ کچھ باتیں سچی بھی تھیں جنہیں مسلمان سنتے اور پسند کرتے تھے۔ اگر حضور ﷺ ان پر عمل کرنے کی اجازت دے دیتے تو دین میں بڑی خرابی پیدا ہو جاتی‘ کہ کون سا مذہب ہے جس میں کچھ اچھی اور سچی باتیں نہیں پائی جاتیں؟ حضور ﷺ نے جو جواب حضرت عمر ؓ کو دیا‘ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ صاف وشفاف چشمہ جس کے اپنے گھر میں موجود ہو‘ اسے گدلے حوض کی طرف رخ نہیں کرنا چاہیے۔‘‘

معروف واقعہ ہے‘ نبی مکرم ﷺ نے سیدنا عمر ؓ کے تورات کا ورق پڑھنے پر ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا:

’’اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ وہ خود بھی (یہاں) زندہ ہوتے اور میرا دورِ نبوت پا لیتے تو میری پیروی کرتے۔‘‘(۱۲)

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر ؓ کے پاس ایک صحیفہ دیکھا جس میں تورات سے کچھ چیزیں تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

’’خطاب کے صاحب زادے! کیا تجھے میرے بارے میں شک ہے؟ کیا میں اس کی

جگہ صاف وشفاف اور واضح تعلیمات نہیں لایا؟ اگر میرے بھائی حضرت موسیٰ حیات ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کو چھٹکارا نہ ملتا۔‘‘(۱۳)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس نبی کی حیثیت یہ ہو کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام اگر اُس کے زمانے میں موجود ہوتے تو وہ بھی اُسی کے امتی اور پیرو بنتے تو اُس رسول ﷺ اور اس کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی پیروی ہی شرطِ نجات ہے۔

دینِ اسلام کی پیروی ہی شرطِ نجات ہے!

رسالتِ محمدی ﷺ کے ان مخصوص امتیازات کا دوسرا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آخرت کی نجات اسلام ہی پر موقوف ہے‘ اور اسلام ہی اب شرطِ نجات ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے‘ اس امت میں سے جس کسی بھی شخص تک (مثلاً یہودی یا نصرانی تک) میرا لایا ہوا دین پہنچا اور وہ اس پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہوگا۔‘‘(۱۴)

اس ضمن میں نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے چند مزید فرمودات ملاحظہ ہوں:

☆ ’’اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے‘ اگر تمہارے پاس یوسف علیہ السلام آجائیں اور میں تم میں ہوں‘ پھر تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔‘‘(۱۵)

☆ ’’میرے لیے زمین کے مشرق و مغرب لپیٹ دیے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جو میرے لیے لپٹا کر دکھایا گیا ہے۔‘‘(۱۶)

☆ ’’پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا‘ جبکہ مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔‘‘(۱۷)

☆ ’’مجھے احمر و اسود (سرخ و سیاہ) سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔‘‘(۱۸)

غرض جہاں تک اسلام کے اپنے فیصلے کا تعلق ہے‘ وہ بالکل دوٹوک انداز میں اپنی پیروی کو سارے انسانوں کے لیے ضروری اور شرطِ نجات قرار دیتا ہے۔

ربّ العالمین اور رحمۃٌ للعالمینؐ پر ایمان: لازم وملزوم

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جو مجھ پر ایمان نہ لائے اس کا اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں۔‘‘(۱۹)

مولانا محمد بدر عالمؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایمان بالرسالت اصولِ دین میں داخل ہے...... معلوم ہونا چاہیے کہ مدارِ نجات ایمان باللہ اور ایمان بالمغیبات ہے۔ مغیبات سے مراد قیامت' فرشتے' جنت' دوزخ وغیرہ ہیں۔ انبیاءؑ انہی امور کی تعلیم وتشریح کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ عقولِ انسانیہ ان امور کے صحیح ادراک سے قاصر ہیں اور اگر بہ ہزار دشواری ادراک کر بھی لیں تو وہ بھی ناتمام ادراک ہوگا' اس لیے خدا کی رحمت نے اس کا بوجھ ہم پر نہیں ڈالا بلکہ فلاح وفوز کا راستہ بتلانے کا خود تکفل فرمالیا ہے۔ اس کے بعد ہمارا کام صرف اس بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔ چونکہ یہ انبیاءؑ کے بغیر میسّر آ ہی نہیں سکتا اس لیے ایمان باللہ کے مفہوم میں رسولوں پر ایمان لانا خود بخود داخل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں اور کہیں کہیں آیاتِ قرآنیہ میں صرف توحید کو مدارِ نجات ٹھہرایا گیا ہے۔ ان سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ صرف توحید موجبِ نجات ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم نے تصنیف کی بجائے خطابت کا اسلوب اختیار کیا ہے' اس لیے اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے ایک خطیب کے اندازِ بیان کا تصور رکھنا چاہیے۔ وہ جب کسی خاص ماحول میں گفتگو کرتا ہے تو بہت سے امور اس کے ماحول میں اور بہت سے متکلم ومخاطب کے دماغوں میں موجود ہوتے ہیں اور بہت سے اس کے طرزِ تکلم سے مفہوم ہوتے ہیں' اور جب ان سب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے تو اس کا کلام سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ یہاں خود رسولِ خدا کی طرف سے متکلم ہوتا ہے' جب وہ بولتا ہے تو خدا تعالیٰ کا ایک ترجمان بن کر بولتا ہے۔ اس کی ہستی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے' اس لیے اسے اپنے بیان میں زور انہی باتوں پر دینا پڑتا ہے جو غائب اور غیر محسوس ہیں۔ جب وہ آمِنُوا بِاللّٰہ کا امر کرتا ہے تو یہ جانتا ہے کہ یہ حکم میری آواز پر جو مانے گا اس کو پہلے میرا ماننا لازم ہوگا۔ مخاطبین کو بھی کوئی ضد ہوتی ہے تو زیادہ تر اسی کی شخصیت سے ہوتی ہے۔ وہ بہت سے مسلّمات کا اگر انکار کرتے ہیں تو اس ضد سے کہ اس کے منہ سے نکل رہے ہیں۔ اسی لیے ایمان بالرسول جو حقیقت میں ایمان باللہ کا ایک ذریعہ تھا' اب ایک حیثیت میں رکن رکین اور اصل الاصول بن جاتا ہے۔ جس طرح ایمان میں اللہ اور رسول کے درمیان فرق کی گنجائش نہیں' ایک کا منکر دوسرے کا منکر سمجھا جاتا ہے' اسی طرح رسولوں میں بھی باہمی یہی نسبت موجود ہے' یعنی ایک کا منکر دوسرے کا منکر ہے۔ یہاں ماضی وحال ومستقبل تینوں زمانے برابر ہیں' حتیٰ کہ خود انبیاءؑ بھی اس وصف میں شریک ہیں۔ اعمال و اقوال کی صداقت ایمان کی صداقت پر موقوف ہے اور ایمان کی صداقت خدا اور

رسولوں پر ایمان لانے سے مربوط ہے' اس لیے ایمان بالرسول اور رسول کے فرمانے پر دوسرے رسولوں پر ایمان لانا مرکزی نقطہ بن جاتا ہے۔ اب ان آیاتِ ذیل کو پڑھیے:

(۱) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النور:۶۲) ''مؤمن دراصل وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔''

(۲) ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ...... اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ (النساء:۱۵۰) ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائیں گے اور کسی کا انکار کریں گے...... یہی لوگ اصلی کافر ہیں۔''

(۳) ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝۱۳۶﴾ (النساء) ''اور جو انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔''

پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسولوں پر بلاتفریق ایمان لانے کا امر ہے' دوسری آیت میں ان کے درمیان فرق کرنے والے کو اصلی کافر کہا گیا ہے اور تیسری آیت میں ایمان میں فرشتوں اور یومِ آخر کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ اب صرف کسی ایک آیت کو لے کر ایمان کی بحث کا فیصلہ کر ڈالنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔''(۲۰)

مفسرین کی آراء

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہود و نصاریٰ اور صابئین میں سے جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے' انہیں تو یہ حکم شامل ہوگا اور جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے ان کے لیے اس کا وعدہ نہیں۔(۲۱)

ہر نبی کا تابع دار اور اس کا ماننے والا ایمان دار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا ہے' لیکن جب دوسرا نبی آ جائے اور وہ اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔(۲۲)

علامہ آلوسی نے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کی تفسیر بِالدُّخُولِ فی مِلّةِ الاسلام (دخول اسلام) سے فرمائی۔ (حوالہ ماقبل گزر چکا)

علاوہ ازیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے مدعیانِ ایمان سے ایمان کی نفی فرمائی ہے جو ذاتِ الٰہی اور آخرت پر صدقِ دل سے ایمان رکھتے تھے' لیکن آنحضرت ﷺ کی

رسالت کے منکر تھے۔ یعنی ان کا ایمان لغوی (اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ) موجود تھا' لیکن ایمان اصطلاحی نہ تھا۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۲ اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو جو اس ساری بحث کے لیے مرکزی نکتہ کی حیثیت رکھتی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہو گئے اور نصرانی اور صابی جو کوئی بھی ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور یومِ آخر پر اور اُس نے اچھے عمل کیے تو اُن کے لیے (محفوظ) ہے اُن کا اجر اُن کے ربّ کے پاس' اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اب اس آیت کے حوالے سے مختلف مفسّرین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ امیر محمد اکرم اعوان ''اکرم التفاسیر'' میں لکھتے ہیں:

''موجودہ زمانے میں سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ کا جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ آیت کے (حقیقی معنی و مفہوم کے) خلاف ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا بے دین ہو' جو بھی بھلے کام کرے گا وہ جنتی ہے'۔ یہ موجودہ دور کے روشن خیال محققین اور جدید معاشرے کا ترجمہ ہے جن کا ایک طرح سے مذہب انسانیت ہے۔ یہ ایک نیا مذہب نکلا ہے جس کے عَلَم بَردار ہمارے نام نہاد دانشور' بیشتر شاعر' ادیب اور اس طرح کا ایک طبقہ ہے' لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انسانیت کیا ہے؟ اللہ کریم نے (اس آیت میں) یہ فیصلہ دیا کہ جو اللہ پر ایمان نہیں لاتا' آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتا' جو حقائق کو نہیں مانتا: ﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ہُمْ اَضَلُّ﴾ (الاعراف:۱۷۹) وہ تو چوپایوں کی طرح ہیں۔''(۲۳)

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ ''تفسیر جواہر القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''ہر فرقہ اپنے اپنے لقب اور نام پر خوش ہے مگر اصل ذریعہ نجات یہ القاب اور انتسابات نہیں ہیں' بلکہ نجات کا مدار تو ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ یہاں یہ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ آیت میں صرف اللہ پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری نہیں' تو اس کا جواب یہ ہے اللہ پر ایمان لانے کا مطلب

یہ ہے کہ اللہ کو اس کی تمام صفاتِ کمال اور نعوتِ جمال میں وحدہٗ لاشریک' یکتا اور بے مثل مانا جائے اور اس کے تمام احکام کی تعمیل کی جائے۔ لہٰذا یہ جملہ ایمان بالرسل' ایمان بالکتب' ایمان بالملائکہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ **قد دخل فی الایمان باللّٰہ الایمان بما اوجبه الایمان برسله**۔(۲۴)

خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھیؒ لکھتے ہیں:

''بعض جدید مفسرین کو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے اور اس سے انہوں نے وحدتِ ادیان کا فلسفہ کشید کرنے کی مذموم سعی کی ہے یعنی رسالتِ محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں بلکہ جو جس دین کو مانتا ہے اس کے مطابق ایمان رکھتا اور اچھے اعمال کرتا ہے' اس کی نجات ہو جائے گی۔''(۲۵)

علامہ غلام رسول سعیدی ''تفسیر تبیان القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد یہ ہے کہ جو ماضی میں اللہ اور رسول پر ایمان لائے' اور مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ سے مراد یہ ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اللہ اور رسول پر ایمان رکھنے میں برقرار اور ثابت قدم رہیں...... آیا اللہ اور رسول پر ایمان رکھنے سے موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟ اس آیت سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ نجات کے لیے مسلمان ہونا' سیدنا محمد (ﷺ) پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے' کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے: مسلمان' یہودی' عیسائی اور صابی جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں' ان کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہوگا اور موجودہ یہودی اور عیسائی بھی اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں' لہٰذا ان سب کی نجات ہوگی۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے: مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ کا معنی ہے اللہ پر صحیح ایمان لائیں' اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے ہر قول اور اس کے حکم کو مان لیا جائے' اور جب تک سیدنا محمد (ﷺ) کو اللہ کا رسول اور آپ کو خاتم النبیین نہ مان لیا جائے' اللہ پر ایمان نہیں ہوگا۔''(۲۶)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ متذکرہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ایمان باللہ کے تحت میں اس کے سارے لوازم اور تضمنات بھی داخل ہیں' ورنہ خدا پر مطلق ایمان تو کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر انسان کا ہے۔ اور ان لوازمِ توحید میں سب سے اونچے نمبر پر ایمان بالرسل ہے کہ بندوں کا صحیح تعلق اللہ کے ساتھ قائم کرنے والی' اس کا سیدھا راستہ بتانے والی ذات رسول ہی کی ہوتی ہے۔''(۲۷)

مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ ''واضح البیان فی تفسیر اُمّ القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''امر ایمان میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے پیغمبروں میں تفریق کرنا یعنی اللہ تعالیٰ پر تو ایمان رکھنا لیکن اس کے پیغمبروں کا انکار کرنا' اس کی مثال ہم آریوں کو پیش کر سکتے ہیں کہ وہ ذاتِ حق کے تو قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیائے کرام خصوصاً آنحضورﷺ کی وہ تعظیم وتکریم مثمر ومقبول اور موجبِ نجات ہے جو ان کی رسالت و نبوت کے اقرار وتصدیق کے ساتھ ہو۔ شریعت کی زبان میں اسی کو ایمان کہتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو اس کی نقیض (الایمان) لازماً متحقق ہو جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں اسی کا نام کفر ہے۔''(۲۸)

''چنانچہ امام رازی فرماتے ہیں: ای یریدون ان یفرقوا بین الایمان باللّٰہ و رسلہ 'یعنی وہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں جدائی کریں۔ اور علامہ زمخشری کہتے ہیں: الذین امنوا باللّٰہ و کفروا برسلہ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا اور اس کے پیغمبروں کا انکار کیا' وہ سب کافر ہیں۔''(۲۹)

''کفر اور ایمان کے درمیان ایک تیسری راہ اختیار کرنا کہ نہ صریحاً کفر وتکذیب پائی جائے اور نہ ایمان وتصدیق کا اظہار ہو۔''(۳۰)

اس ضمن میں مولانا شمس نوید عثمانی رقم طراز ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ قرآن نے صرف ان بنیادوں کا ذکر کر کے ان تمام مذہبی گروہوں کو بشارت دے دی کہ اگر انہیں درست کر لو تو پھر تمہیں کسی خوف کی ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایمان رسولِ آخر اور قرآن پر بھی لانا ضروری ہے۔ پھر قرآن نے صرف ان تین ارکان کا ذکر کر کے کیوں ہر مذہب کے ماننے والے کو خوش خبری دے دی؟ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ علیم وحکیم اللہ ربّ العزت کے علم میں یہ بات ہے کہ اگر وہ ان بگاڑوں کو درست کر لیں تو رسول اور قرآن پر وہ ایمان ضرور لائیں گے۔''(۳۱)

اسلام کے بنیادی عقائد میں عقیدۂ رسالت بڑی اہمیت رکھتا ہے اور عقائد کا لازمی حصہ ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ سے یہ استدلال پیش کیا گیا کہ رسالتِ نبویﷺ اور قرآن پر ایمان رکھنا بنیادی ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے' صرف اللہ پر ایمان اور عملِ صالح پر ہی نجات ہو جائے گی۔ یہ ماننا دراصل ایمان بالرسالت اور ایمان بالقرآن کی نفی ہے۔ بعض کے نزدیک ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب' ایمان بالرسالت میں ہی آ جاتے ہیں۔

سورۃ البقرۃ:۶۲ اور سورۃ المائدہ:۶۹ کے حوالے سے بعض اہلِ مغرب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اخروی نجات کے لیے اللہ کے رسولﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے کہ آیت مذکورہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ اہلِ ایمان' یہود' نصاریٰ اور صابئین میں سے جو شخص بھی اللہ اور یومِ آخر پر ایمان لے آئے اور عملِ صالح کرے وہ اس کی اُخروی نجات کے لیے کافی ہوگا۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے ان کی اس غلط فہمی کی نشاندہی کرتے ہوئے تفسیر ''تدبرِ قرآن'' (جلد اوّل) میں لکھا ہے:

''اس زمانے کے بعض متکلمین اور منکرینِ سنت اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو اہلِ کتاب اپنے اپنے صحیفوں کی تعلیمات پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کر رہے ہیں' قرآن مجید ان کی نجات کے لیے رسول اللہﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ٹھہراتا۔ ان کے خیال میں ایسے اہلِ کتاب کی نجات کے لے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اپنے صحیفوں اور نبیوں کی تعلیم پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کریں۔ ان لوگوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں جن چیزوں سے استدلال کیا ہے ان میں البقرۃ کی یہ آیت (۶۲) بھی شامل ہے۔''

نجات کے لے ضروری چیزوں کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

''نجات کے لیے جس طرح دوسروں کے لیے نبی کریمﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے' اسی طرح اہلِ کتاب کے لیے بھی ضروری ہے اور اس معاملہ میں قرآن مجید نے اچھے اہلِ کتاب اور بُرے اہلِ کتاب میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اگر اہلِ کتاب کے صالح لوگوں کی قرآن کریم نے جگہ جگہ تعریف کی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کی یہ نیکی ان کی نجات کے لیے کافی تھی' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا رویہ ان کی حق پسندی کے سبب سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اچھا تھا اور اس قسم کے سارے لوگ آہستہ آہستہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔''

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فقط اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے' انبیاء اور ملائکہ وغیرہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ قرآن کریم کی صاف نصوص اس بات پر صراحتاً دال ہیں کہ جو شخص انبیاء اور ملائکہ کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے۔ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانا اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک انبیاء' ملائکہ اور

صحف سماویہ پر ایمان نہ لائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آخرت کے احوال کی معرفت کا ذریعہ انبیاء اور صحف الٰہیہ ہی ہیں اور وحی وصحیفہ ربانی کا نزول فرشتہ کی وساطت سے ہوتا ہے۔‘‘(۳۲)

مولانا عبدالحق حقانیؒ ’’تفسیر حقانی‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’پس قرآن کا ماننا خدا کی تمام کتابوں کا ماننا ہے اور محمد ﷺ پر ایمان لانا جمیع انبیاء پر ایمان لانا ہے اور ان سے سرتابی اور انکار جمیع انبیاء اور ان کی سب الہامی کتابوں سے انکار کرنا ہے جس کی سزا ابدی جہنم اور خدا کے جلال اور بادشاہی میں سب سے ذلیل و خوار ہونا ہے۔‘‘(۳۳)

مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ ’’واضح البیان‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’پانچواں قرینہ یہ ہے کہ امورِ نجات میں اعمالِ صالحہ کو بھی گنا ہے اور اعمالِ صالحہ کا علم اور تقریر اور ان کی عملی کیفیت بغیر نبی اللہ کی تعلیم وارشاد کے معلوم نہیں ہو سکتی اور نہ وہ طریق سنت کی موافقت کے بغیر موجب ثواب آخرت ہو سکتے ہیں‘ لہٰذا ان کے ضمن میں بھی ایمان بالرسالۃ ملحوظ ہے۔ اس لیے رسالت پر ایمان لانے کے سوا نجات نہیں ہو سکتی۔‘‘(۳۴)

’’چھٹا قرینہ یہ ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اور اعمالِ صالحہ پر اجر دینے کا وعدہ کیا ہے اور یہ وعدہ نہیں ہو سکتا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان سب کی تعلیم اور ان کے حدود اور کوائف اور ان کے متعلق اپنی رضا کا طریق مقرر نہ کرلے اور ان سب کے لیے نبی برحق کی سخت ضرورت ہے۔‘‘(۳۵)

توحید‘ آخرت اور رسالت پر ایمان ہی وہ شاہ کلید (master key) ہے جس سے انسانی زندگی کے ہر بگاڑ کا قفل کھولا جا سکتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں اصلاح کا راستہ صاف کیا جا سکتا ہے۔ گویا اسلامی تصورِ توحید‘ تصورِ رسالت کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱) انکارِ حدیث کے نتائج‘ ص ۷۵۔ (۲) ایک اسلام‘ ص ۴۶ تا ۴۸۔
(۳) اسلامی نظام‘ ص ۹۴۔ (۴) معارف القرآن‘ ج ۴‘ ص ۶۸۶۔
(۵) سالانہ مجلہ مصعبی‘ ۹۔ ۲۰۰۸ء‘ ص ۱۵۔

(۶) دانش وری یا تخریب کاری؟ طارق جان‘ ص ۱۳۔
(۷) روح المعانی‘ البقرہ: ۶۲۔ (۸) روح المعانی‘ البقرۃ: ۸۔
(۹) صحیح البخاری وصحیح مسلم۔ (۱۰) تفسیر ابن کثیر۔
(۱۱) صحیح مسلم۔ (۱۲) سنن دارمی‘ ح ۴۳۵۔
(۱۳) مسند احمد وسنن دارمی۔ (۱۴) صحیح مسلم ومشکاۃ المصابیح۔
(۱۵) مصنف عبدالرزاق۔ (۱۶) صحیح مسلم۔
(۱۷) صحیح البخاری۔ (۱۸) صحیح مسلم۔
(۱۹) مسند احمد ودار قطنی۔
(۲۰) ترجمان السنۃ‘ مولانا محمد بدر عالم‘ ج ۱‘ ص ۳۳۵‘ ۳۳۶۔
(۲۱) تفسیر طبری۔ (۲۲) تفسیر ابن کثیر۔
(۲۳) اکرم التفاسیر‘ امیر اکرم اعوان‘ ج ۱‘ ص ۱۶۰۔
(۲۴) تفسیر جواہر القرآن‘ ج ۱‘ ص ۴۰‘ بحوالہ تفسیر کبیر‘ ج ۱‘ ص ۵۵۰۔
(۲۵) تفسیر محمد جوناگڑھی‘ ص ۲۸۔ (۲۶) تفسیر تبیان القرآن‘ ج ۱‘ ص ۴۱۴۔
(۲۷) تفسیر ماجدی‘ ج ۱‘ ص ۳۵۔ (۲۸) واضح البیان‘ ص ۳۴۹۔
(۲۹) واضح البیان‘ ص ۳۳۵۔ (۳۰) ایضاً۔
(۳۱) اگر اب بھی نہ جاگے تو...... ص ۲۰۰ (۳۲) تفسیر معارف القرآن‘ البقرۃ: ۶۲۔
(۳۳) تفسیر حقانی‘ ج ۱‘ ص ۱۱۸۔ (۳۴) واضح البیان‘ ص ۳۳۶۔
(۳۵) واضح البیان‘ ص ۳۶۸۔

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں
اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل
خلافت کی حقیقت
اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام
ڈاکٹر اسرار احمد
اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

گناہوں سے بچنے کا حتمی نسخہ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

گناہوں سے بچنے کا تیر بہدف نسخہ ’’ایمان بالآخرۃ‘‘ ہے۔ جو شخص بعث بعد الموت کا پختہ یقین کر لے‘ اس کے لیے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ اگر ایمان بالآخرۃ کا یقین اس درجے کا ہو جائے جس درجے کا یہ یقین ہے کہ آگ جلاتی ہے تو انسان برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ہر مسلمان کا اخروی زندگی پر ایمان تو ہے‘ مگر وہ ایمان اس حد تک کمزور ہو چکا ہے کہ وہ انسان کو گناہ سے نہیں روک سکتا اور انسان انجام سے بے خبر اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔

ہر مسلمان آگاہ ہے کہ چور کی سزا یہ ہے کہ اُس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ یہ دنیوی سزا ہے جو ہمارے ہاں رائج نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب اس جرم کی دنیوی سزا یہ ہے تو اُخروی سزا کتنی سخت ہو گی۔ چوری کرنے والا جانتا ہے کہ چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے مگر پھر بھی وہ چوری کرتا ہے تو اس کا آخرت پر ایمان کیا ہوا؟ حدیث میں ہے کہ جب بندہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا ایمان اس کے وجود سے نکل جاتا ہے‘ یعنی جب آدمی اللہ ربّ العزت کی نافرمانی کرتا ہے‘ اُس وقت ایمان سے خالی ہوتا ہے۔

چوری کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ یہ بہت بڑی بُرائی ہے‘ میں کسی کا مال چرا رہا ہوں اور مجھے یہ مال مالک کو واپس کرنا ہو گا‘ کیونکہ یہ مال اُس کا ہے‘ میرا نہیں۔ فیصلے کے دن جب اللہ تعالیٰ کی عدالت سے چور کو کہا جائے گا کہ جو مال تم نے چرایا ہے‘ یہ اس مال کا مالک کھڑا ہے‘ اس کو واپس کرو! تو وہ کہاں سے واپس کرے گا؟ کیونکہ مرنے والا نہ کوئی چیز ساتھ لے کر جاتا ہے اور نہ مال۔ یہ روز کا مشاہدہ ہے کہ وہ خالی ہاتھ جاتا ہے‘ لیکن اس دن عدل کی کرسی پر اللہ ربّ العالمین ہو گا۔ وہ ربّ العالمین جس نے اچھی زندگی گزارنے کے طریقے فطری طور پر ہر شخص کو ودیعت کر دیے ہیں۔ نیز انبیاء اور رسول علیہم السلام بھیجے جنہوں نے زبانی اور عملی طور پر

اچھے اور بُرے کاموں کو واضح کر دیا۔ پھر قرآن نازل کر دیا تاکہ رسول اللہ ﷺ خالقِ کائنات کے پاس واپس چلے جائیں تو اللہ کا کلام قرآن مجید مکمل صحت کے ساتھ انسانوں کے پاس رہنمائی کے لیے موجود رہے۔ اس کے باوجود بھی انسان نیک کاموں کو چھوڑ کر گناہوں کے کام کرتا ہے تو اس کے پاس کیا عذر رہ جائے گا؟

فیصلے کے دن چور چرایا ہوا مال مالک کو واپس نہ کر سکے گا۔ اس چور نے اگر کچھ ثواب کے کام کر کے نیکیاں کمائی ہوں گی‘ مثلاً تلاوتِ قرآن‘ نماز‘ روزہ وغیرہ تو اس کی نیکیوں کے اس ذخیرے میں سے چوری کیے ہوئے مال کے مالک کو نیکیاں دے کر راضی کیا جائے گا۔ اگر اس نے کچھ اور لوگوں کے حق دبائے ہوں گے تو ان کو بھی مجرم کی نیکیاں دے کر عدل کا تقاضا پورا کیا جائے گا۔ اگر اس طرح حقوق غصب کرنے والے کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حق داروں کے گناہ مجرم کے سر پر ڈال دیے جائیں اور وہ اس دن بے یار و مددگار عذاب کا نوالہ بن جائے گا۔

اسی طرح رشوت خور لوگوں سے رشوت لیتا ہے۔ اگر اس کا ایمان بالآخرۃ مضبوط ہو گا تو وہ کسی قیمت پر رشوت نہ لے گا۔ اگر کوئی اُس کی جیب میں رشوت کے پیسے ڈالنا چاہے گا تو وہ پھر بھی قبول نہیں کرے گا‘ کیونکہ ایمان بالآخرۃ اس کے سامنے یہ نقشہ رکھ دے گا کہ ناجائز لیا ہوا مال اصل مالک کو بہرحال واپس دینا ہو گا۔ اس دن فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہو گا اور مجرم کو چھڑانے کا اختیار کسی کو نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو گا جو چور کے ساتھ ہو گا۔ رشوت اور چوری جیسا ہی معاملہ سود کا ہے۔ سود حرام ہے۔ سود کا پیسہ تھوڑا یا زیادہ آسانی سے مل رہا ہو تو بندہ ایک لمحہ کے لیے رُک جائے اور یاد کرے کہ سود کھانا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ (البقرۃ:۲۷۹) کیا کوئی مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے؟ انسان یہ سوچ لے گا تو سود سے باز رہے گا۔

یہ تو چوری‘ رشوت اور سود کا معاملہ ہے۔ دوسروں کے حقوق جس نے بھی تلف کیے ہوں گے اسے وہ حقوق ادا کرنے کو کہا جائے گا۔ جب ایسا نہ کر سکے گا تو اُسے اپنی نیکیوں (اگر کوئی ہوں گی) کے ذخیرے میں سے حق داروں کو نیکیاں دے کر راضی کرنا پڑے گا۔ یہ وہ وقت ہو گا جب ہر کسی کو نیکیوں کی ضرورت ہو گی۔ یہ جو کچھ بیان ہوا قرآن کی روشنی میں بیان کیا گیا۔ حضور ﷺ نے اپنے عمل اور فرمان سے بھی یہ بات واضح کر دی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے

پوچھا: ''تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں تو مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو اور نہ مال ومتاع۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت میں (قیامت کے روز) مفلس وہ ہوگا جو نماز' روزہ اور زکوٰۃ (ہر قسم کی عبادات لے کر آئے گا) اور ساتھ ہی کسی کو گالی دی ہوگی' کسی کو تہمت لگائی ہوگی' کسی کا مال کھایا ہوگا' کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا' کسی کو مارا ہوگا (یہ سب گناہ لے کر آئے گا) تو اس مظلوم کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور دوسرے کو بھی اس کی نیکیاں عطا کر دی جائیں گی۔ پھر جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی ان حقوق کی ادائیگی سے پہلے جو اس پر واجب ہیں تو ان کی خطائیں اور بُرائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔'' (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ ؓ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کا حق مارنا صرف کسی کا مال ناجائز ہڑپ کرنا نہیں' بلکہ دوسرے انسانوں کو کسی طرح کی اذیت پہنچانا بھی حق تلفی ہے' کیونکہ ہر شخص کا حق ہے کہ دوسرے اُس کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور کسی طرح گالی کے ذریعے یا مارنے کے ذریعے اُس کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ کیونکہ ہر قسم کی حق تلفی کے لیے نیکیاں ادا کرنی پڑیں گی اور نیکیاں ختم ہونے کی صورت میں حق داروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔

غافل انسان ذرا ذرا سی بات پر مخالف کو قتل کر دیتا ہے۔ اگر وہ کسی کو قتل کرنے سے پہلے سوچ لے کہ ناحق قتل کی سزا قرآن مجید میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝۹۳﴾ (النساء)

''جو کوئی کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کی سزا جہنم ہے' جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' اس پر اللہ کا غضب ہے' اسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

تو وہ کبھی کسی کی جان کے درپے نہ ہو۔ معاشرے میں کوئی شخص کتنا ہی بُرا ہو' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو قتل کر دے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اُسے سزا دے اور لوگوں کو اس کی زیادتیوں سے بچائے۔

آخرت میں ہر کسی کو نجات کے لیے نیکیوں کی ضرورت ہوگی مگر اس دن کوئی کسی کو اپنی

نیکیاں نہیں دے گا' کیونکہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا نیک عمل ہے اور اگلا جہان تو دارالجزاء ہوگا' وہاں عمل کا کیا سوال؟ دارالعمل تو یہ دنیا ہے' اس میں نیکیاں کمائی جا سکتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝۳۴ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝۳۵ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝۳۶﴾ (عبس)

''اس روز آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے' اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے''۔ یعنی کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہوگا' ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی' کیونکہ ناکامی کی صورت میں سامنے آگ نظر آ رہی ہوگی۔ قرآن مجید میں بار بار ذکر ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانعام:۱۶۴' الاسراء:۱۵' فاطر:۱۸' الزمر:۷' النجم:۳۸) اور یہ کہ ہر شخص اس دن اکیلا اکیلا حاضر ہوگا: ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝۹۵﴾ (مریم) یعنی اُس دن اُس کے ساتھ کوئی حمایتی نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ جو کچھ بیتے گی اُسے اکیلے ہی برداشت کرنی پڑے گی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ سبق واضح ہے کہ ہر شخص کوئی قدم اٹھانے یا عمل کرنے سے پہلے اچھی طرح جان لے کہ اس عمل کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ اگر اس سوچ کا اسے احساس ہو جائے کہ اگر وہ اپنے ارادے اور چاہت کے مطابق بُرا کام کرے گا تو اس کے نتیجہ میں اللہ عزوجل اور رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق اُسے فلاں سزا دی جائے گی یا اُسے آگ میں پھینکا جائے گا تو وہ اس کام سے بہرحال باز رہے گا۔

پس ثابت ہوا کہ گناہوں سے بچنے کا یقینی نسخہ یہ ہے کہ بندہ ایمان بالآخرۃ کو مضبوط کرے اور ہر گناہ کا انجام اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق سچ سمجھے اور کبھی نافرمانی کے کسی کام کی جرأت نہ کرے' اس لیے کہ گناہوں پر جری ہونا ایمان بالآخرۃ کی نفی ہے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے جب اس معاملہ میں اللہ اور رسول ﷺ کے وعدوں کو یقینی جانے کہ گناہ کے کام اُسے دوزخ میں لے جائیں گے اور اچھائیاں اس کے لیے جنت کی دائمی زندگی کا باعث بنیں گی۔

۞۞۞

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۱۶)

اسلام کی معاشرتی ہدایات

سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۳۱ کی روشنی میں

شجاع الدین شیخ ☆

آج کے درس میں جن آیات کا ہم مطالعہ کرنے جا رہے ہیں ان میں اسلام کی معاشرتی ہدایات کا بیان ہے — حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں تورات کی معاشرتی تعلیمات کا خلاصہ بیان ہوا ہے —— معاشرتی ہدایات کے ضمن میں اول و آخر توحید کا ذکر آیا ہے۔ توحید پورے نظامِ فکر کی اساس ہے جس سے ایک مثالی حکومت وجود میں آتی ہے۔ گویا توحید کی بنیاد پر اولاً ایک معاشرہ اور پھر اس کے نتیجے میں ایک حکومت وجود میں آنی چاہیے' یہ توحید کا عملی تقاضا ہے۔

اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اور خدمت والدین کی

آج ہم سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع میں واردشدہ آیات پر گفتگو کریں گے۔ اس رکوع کا آغاز آیت ۲۳ سے ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ﴾ ''اور تمہارے رب نے طے کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو''۔ عبادت یعنی کُلی اطاعت اور دلی محبت کا حق دار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسری بات آیت کے اس ٹکڑے میں یہ بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے زیادہ مقدم حق والدین کا ہے۔ قرآن حکیم میں اس مقام کے علاوہ چار اور مقامات پر اللہ تعالیٰ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا ذکر آیا ہے۔ البتہ اطاعت اور محبت کے ضمن میں اللہ

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت' تنظیم اسلامی

تعالیٰ کے بعد نبی اکرمﷺ کا مقام ہے۔ اللہ اور اس کے رسولﷺ کے ساتھ شدید ترین محبت ایک اصولی بات ہے اور اطاعت بھی سب سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسولﷺ کی ہی ہوگی' لیکن خدمت اور دیگر حقوق کے ضمن میں اللہ کے بعد والدین کا ذکر آتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک خاتون کا نکاح ہو جائے اور وہ بیوی کی حیثیت اختیار کر جائے تو بیوی پر اللہ اور اس کے رسولﷺ کے بعد سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے۔ گویا جس طرح بیوی کی خدمت اور اطاعت کو اس کے شوہر کی خدمت اور اطاعت کے ساتھ جوڑا گیا ہے' اسی طرح اولاد کی خدمت کو والدین کی خدمت سے جوڑا گیا ہے۔

حقوقِ والدین کی ایک جھلک

والدین کے حقوق کے حوالے سے پہلی بات والدین کا دل سے ادب اور احترام ہے۔ خالق اللہ ہے' لیکن اولاد کی پیدائش کا ذریعہ والدین ہیں۔ رازق اللہ ہے' لیکن اس رزق کے اولاد تک پہنچنے کا ذریعہ والدین ہیں۔ محافظ اللہ ہے' لیکن عالمِ ظاہر میں بچے کی کفالت اور حفاظت بھی والدین کرتے ہیں۔ اللہ ربّ ہے' لیکن ظاہر میں والدین بچے کی پرورش کر رہے ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جان و مال سے والدین کی خدمت بھی اولاد پر لازم ہے۔ بچہ جب جوان ہو جائے اور پڑھ لکھ کر کچھ کرنے کے قابل ہو جائے تو دماغ میں کوئی فتور نہیں آنا چاہیے' بلکہ اس وقت بھی اپنے والدین کی خدمت میں کوئی سستی نہیں کرنی چاہیے۔ ایک صحابیؓ رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے والد کا ذکر کرنے لگے کہ وہ مجھ سے میرا مال مانگتے ہیں۔ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم بھی اور تمہارا مال بھی تمہارے والد کا ہے اور ان پر تمہارے والد کا حق ہے۔''

والدین کے حقوق کے ضمن میں اگلی بات' شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے والدین کی اطاعت کرنا ہے۔ اگر والدین کا کوئی حکم شریعت کے خلاف ہو تو اولاد اس کو ماننے کی پابند نہیں ہے۔ اولاد پر والدین کے وفات پر ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت بھی لازم ہے۔ بیٹوں کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ اپنے والدین کی نماز جنازہ پڑھا سکیں۔ والدین کی وصیت اور ان کے حق کو پورا کرنا بھی اولاد پر لازم ہے' البتہ وصیت شریعت کے تقاضوں کے خلاف نہ ہو۔ ورثاء کے حصے تو مقرر ہیں' لہٰذا ان کے حق میں وصیت جائز نہیں' البتہ غیر وارث کے لیے

ایک تہائی حصے تک کی وصیت جائز ہے۔

آج ہماری ایک بہت بڑی کوتاہی قرض کے حوالے سے ہے۔ والدین کے ذمے اگر کوئی قرض رہ گیا ہو تو ورثاء کے حق سے پہلے میت نے جو مال چھوڑا ہے اسی میں سے قرض ادا کیا جائے گا۔ اولاد کو بہرحال اس کا لحاظ کرنا چاہیے۔ مزید برآں یہ کہ اگر والدین نے کوئی اور عہد کیا ہو تو اسے بھی پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ والدین کے حق میں دعا اور استغفار بھی اولاد پر لازم ہے۔ اولاد کو والدین کے اقارب اور دوستوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر والد کا انتقال ہو گیا ہو تو چچا اور تایا کے ساتھ حسنِ سلوک کرو‘ اور اگر والدہ کا انتقال ہو جائے تو خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر والدین کسی بچے سے محبت کرتے تھے تو اولاد کو بھی والدین کے انتقال کے بعد اس بچے سے محبت کرنی چاہیے۔ سب سے بڑھ کر اولاد کو صدقۂ جاریہ بننے کی کوشش کرنی چاہیے‘ اس لیے کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ والدین کو ملتا ہے۔ آج والدین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو نیک بنانے کی کوشش کریں۔ ان کو اللہ کی بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر لانے کی کوشش کریں‘ اس لیے کہ یہ والدین کی سب سے بڑی انوسٹمنٹ ہے۔

حقوقِ والدین: قرآن وحدیث کی روشنی میں

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں۔ اسی حوالے سے آیت زیرِ مطالعہ میں آگے ارشاد ہوا: ﴿اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾﴾ ''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا''۔ بڑھاپے میں والدین کو خدمت کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اور بچپن میں جو کمزوریاں ہوتی ہیں وہ بڑھاپے میں لوٹ آتی ہیں۔ کل والدین نے اولاد کی ساری کمزوریوں کو برداشت کیا اور اب اولاد کے لیے ضروری ہے کہ بڑھاپے میں والدین کی ان کمزوریوں کو برداشت کرے۔ ان کو جھڑکنا تو دور کی بات ہے‘ ان کو اُف تک نہ کہا جائے اور نہ کسی اُکتاہٹ کا اظہار کیا جائے۔ زور سے چلانا تو سراسر بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے‘ ماں باپ اگر کسی خواہش کا اظہار کر بیٹھیں تو پیشانی پر ناگواری کے اثرات لانا بھی ممنوع ہے۔

آیت ۲۴ میں فرمایا گیا: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾﴾ ''اور ان کے سامنے عاجزی کے ساتھ کندھے جھکائے رکھنا اور ان کے حق میں دعا کرنا کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی''۔ یہ بہت مشہور اور قیمتی دعا ہے‘ خواہ والدین حیات ہوں یا دنیا سے گزر چکے ہوں‘ والدین کے احسانات کا بدلہ کسی صورت ادا نہیں کیا جاسکتا‘ لہٰذا ہمیں والدین کے حق میں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کے حق میں کثرت سے دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ——— کراچی کی یونیورسٹیز میں کبھی پڑھانے کا موقع ملا تو یہ جملے طلبہ کی طرف سے سننے کو ملے کہ بڑے عرصے کے بعد یاد آیا یا کسی نے یاد دلایا کہ ہمیں اپنے والدین کے لیے دعا بھی کرنی چاہیے۔ آج ہم اپنی اولاد کو کیا بنا رہے ہیں اور کیا پڑھا رہے ہیں‘ اس پر غور کرنا چاہیے۔ جس باپ نے پوری زندگی لگا کر‘ پال پوس کر ہمیں جوان کیا‘ جس ماں نے ہمیں جنم دیا اور اپنی راتوں کی نیند قربان کی‘ ان کے لیے ہمارے پاس دعا کے لیے بھی وقت نہ ہو تو یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے چند ارشادات والدین کے رتبے‘ عظمت اور ان کے حقوق کے حوالے سے آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا۔ ایک متفق علیہ روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کو وقت پر ادا کرنا''۔ پوچھا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''والدین کے حقوق ادا کرنا''۔ پوچھا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں قتال کرنا!''

اگلی روایت بھی متفق علیہ ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے حسنِ سلوک (اور خدمت) کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پھر پوچھا کہ پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ''۔ قرآن مجید میں بھی یہ اشارے ہمیں ملتے ہیں۔ گھر میں فیصلے کا اختیار والد کو دیا گیا ہے اور حکم ماننے کے اعتبار سے باپ کا حق فائق ہے‘ مگر خدمت میں ماں کا حق تین گنا ہے۔

مسلم شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ذلیل وخوار ہو''۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بدنصیب جو اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت حاصل نہ کرلے''۔ ہمارے ایک استاد کی والدہ کا انتقال ہوا۔ جب وہ نمازِ جنازہ پڑھا رہے تھے تو روتے ہوئے کہنے لگے کہ آج میری جنت جارہی ہے۔

والدین کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے دو مشہور ارشادات ہیں: (۱) ''جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے'' اور (۲) ''اللہ کی رضا والد کی رضا میں اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔''

والدین کی خواہش پوری نہ کر سکنا

آیت ۲۵ میں ارشاد ہوا: ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵﴾ ''تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہے' اگر تم نیک ہو تو بیشک وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے''۔ یہاں ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ بعض اوقات کسی مصلحت یا مجبوری کی وجہ سے اولاد کے لیے والدین کی کوئی خواہش پوری کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ جیسے کسی بزرگ نے سمجھایا کہ کسی کے والد بوڑھے ہیں' ان کی طبیعت خراب ہے اور وہ نلی نہاری کا تقاضا کرتے ہیں تو ان سے معذرت کی جائے گی' کیونکہ پتا ہے اس کے کھانے سے والد صاحب کی طبیعت بگڑ جائے گی۔ کبھی مجبوری آڑے آجاتی ہے' جیسے کہ باپ کو عالیشان گھر چاہیے' لیکن اولاد کی اتنی آمدنی نہیں کہ وہ ان کی یہ خواہش پوری کر سکے۔ اسی طرح بعض اوقات والدین کی خواہش خلافِ شریعت ہوتی ہے جسے پورا نہیں کیا جاسکتا۔ اس صورت میں اگر والدین کے سامنے عاجزی کے ساتھ اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا جائے اور اللہ کی طرف اپنی بے بسی کے ساتھ رجوع کیا جائے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ معافی مل جائے گی۔

ضرورت مندوں کی امداد اور فضول خرچی کی ممانعت

آیت ۲۶ میں فرمایا گیا: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ......﴾

''اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق......'' یہ بھی اسلامی اقدار ہیں جو قرآن مجید بیان فرمارہا ہے۔ انسان کے پاس جو بھی مال ہے اس کا مالک اللہ ہے اور انسان اس کا امین ہے۔ مال میں اللہ تعالیٰ نے بطور آزمائش غریبوں اور مسکینوں کا حق رکھا ہے۔ دوسروں کی امداد ان کا حق اور اپنا فرض سمجھ کر کی جانی چاہیے' نہ کہ ان پر احسان سمجھ کر۔ والدین کے بعد دیگر رشتہ داروں اور پھر ضرورت مندوں کا حق ہے۔ اپنے قریبی لوگوں کو فراموش کر کے دوسروں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دور دراز نکل جانا کسی صورت مناسب نہیں ہے۔

آیت ۲۶ کے آخر اور آیت ۲۷ میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷﴾ ''اور مال بے جا نہ اڑاؤ' بیشک مال بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں' اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے''۔ شیطان کو ناشکرا اس لیے کہا گیا ہے کہ اس نے اللہ ربّ العزت کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنے رویے پر اڑا رہا۔ اس مقام پر ''تبذیر'' کا ذکر آیا ہے' جبکہ قرآن کریم ''اِسراف'' کا لفظ بھی استعمال فرماتا ہے۔ اِسراف کا مطلب ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ تبذیر بلاضرورت خرچ کرنے کو کہتے ہیں' مثلاً تعمیرات میں نقش ونگار اور سجاوٹ پر' نام ونمود کے لیے دعوتوں پر' کھیل تماشوں پر' خوشی کے موقع پر بے جا رسومات اور چراغاں وغیرہ پر' اور غمی یا خود ساختہ تہواروں کے دوران بدعات پر پیسے خرچ کرنا' یہ سب تبذیر کے زمرے میں آتا ہے۔ تعمیرات ایسی خوش نما' لگتا ہے کہ کبھی مرنے کا ارادہ ہی نہیں۔ کھیل کود پر پوری دنیا کو لگا دیا جاتا ہے۔ خوشی کے مواقع مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر ہندوانہ رسومات پر' میت کے موقع پر بدعات پر بے جا خرچ اور وہ بھی میت کے ترکے میں سے کیا جائے' تو یہ سارے وہ کام ہیں جہاں کچھ خرچ کرنے کی حاجت نہیں ہے اور ایسی جگہوں پر خرچ کرنے والوں کو شیاطین کے بھائی کہا گیا ہے۔

سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ (آیت ۹۱) ''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کردے شراب اور جوئے کے ذریعے سے''۔ بغض وعداوت تب پیدا ہوتی ہے جب

مال پانی کی طرح بہایا جائے اور اخراجات کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے جائیں‘ جب کہ دوسری جانب لوگوں کے پاس دو وقت کا کھانا بھی دستیاب نہ ہو تو احساسِ محرومی اور احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے۔ پھر انسان ڈاکوں اور چوریوں پر اُتر آتا ہے۔ امیر‘ امیر سے امیر تر ہوتا چلا جائے اور غریب‘ غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے تو یہ ظالمانہ نظام کا ایک اور پہلو ہے۔ اس کے نتیجے میں معاشرے میں انتشار جنم لیتا ہے‘ کیونکہ شیطان دشمنیاں پیدا کرتا ہے۔ مال کا بے جا خرچ اس نعمت کی بہت بڑی ناقدری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ناشکری اور ناقدری سے ہماری حفاظت فرمائے۔

سوالی کو جھڑکنے کی ممانعت اور اعتدال کی اہمیت

آیت ۲۸ میں فرمایا گیا:﴿وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾﴾ ’’اگر تمہیں ان (مستحقین) سے اعراض کرنا پڑے‘ اپنے رب کی رحمت (فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو تو ان سے نرمی سے معذرت کرو‘‘۔ معاشی حالات نامساعد ہوں تو بھی دستِ سوال دراز کرنے والوں سے بڑی نرمی سے معذرت کرنا چاہیے‘ کسی بھی صورت جھڑکنے کی اجازت نہیں۔ سورۃ الضحیٰ میں سوال کرنے والوں کو جھڑکنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی کی حاجت کے حوالے سے دل مطمئن نہیں تو بھی اسے برا بھلا کہنا جائز نہیں۔

آیت ۲۹ میں ارشاد ہوا:﴿وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾﴾ ’’اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے باندھ لو (یعنی بخل کرو) اور نہ بالکل ہی کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو) کہ پھر ملامت زدہ‘ تھک ہار کر بیٹھ رہو‘‘۔ یہاں دو انتہاؤں سے منع کیا گیا کہ نہ تو آدمی اتنا کنجوس ہو جائے کہ کچھ بھی خرچ نہ کرے اور نہ سارا ہی دے ڈالے‘ کہ کل دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے۔ مال خرچ کرنے ہی میں نہیں‘ بلکہ ہر بات میں میانہ روی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ جب نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا اظہار ہو۔ اللہ نے جو نعمت عطا فرمائی ہو اس کو بیان کرنا چاہیے یعنی اس کو استعمال کرنا چاہیے۔ یہ بھی نہ ہو کہ اللہ نے تو نعمتیں دے رکھی ہیں مگر بندہ اتنا کنجوس ہے کہ اس کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اور مسکین سمجھ کر کوئی چار پیسے اس کے ہاتھ میں تھما دے۔ یہ بھی نعمت کی

ناشکری ہے۔ اپنی جائز حاجات پر آدمی پورا خرچ کرے‘ اس میں کوئی حرج نہیں‘ مگر بے جا خرچ نہ کرے۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ)) ’’وہ محتاج نہیں ہوتا جو میانہ روی اختیار کرتا ہے‘‘۔

آیت ۳۰ میں فرمایا گیا:﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾﴾ ’’بیشک تمہارا رب جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے‘ یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خبردار ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے‘‘۔ یعنی تم نہ کسی کی کشادگی کے ذمہ دار ہو اور نہ ہی یہ تمہارے بس میں ہے‘ اس لیے جس قدر ممکن ہو اپنے بھائی کی مدد کرتے رہو۔

تنگیٔ رزق کا خوف اور قتلِ اولاد

آیت ۳۱ میں ارشاد ہوا:﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾﴾ ’’اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا‘ ہم ان کو رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ کچھ شک نہیں ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے‘‘۔ جملہ مخلوقات کا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ رزق کی عدم دستیابی کے خوف سے اولاد کو ہلاک کرنا جائز نہیں۔ آج ہمارے ہاں نعرے لگتے ہیں کہ ’’بچے دو ہی اچھے‘‘ یا ’’ایک کے بعد دو نہیں‘ دو کے بعد کبھی نہیں‘‘۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کچھ لوگوں کا یہی خیال تھا۔ آج جدید دور جاہلیت ہے۔ یہاں پر لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ‘ معاذ اللہ‘ ہم ہی اپنی اولاد کے رازق ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کے پس منظر میں بھی یہی سوچ کارفرما ہے کہ انسان اللہ کو رازق نہیں سمجھتا۔ وہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ وسائل کی کمی ہے تو اولاد پل نہیں سکے گی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

اللہ کے رزق کے خزانے بے شمار ہیں۔ سورۃ الحجر میں ارشاد ہوا:﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۱﴾﴾ ’’اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو ضروری مقدار کے مطابق اتارتے رہتے ہیں‘‘۔ زمین پر وسائل کی کمی کبھی نہیں رہی۔ قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ زمین پہلے بنائی گئی‘ اس پر انسان کی ضروریات فراہم کی گئیں اور پھر انسان کو زمین پر بھیجا گیا۔ یہ ہمارے علم میں ہے کہ بچہ ماں کے بطن سے برآمد بعد میں ہوتا ہے اور ماں کے وجود میں بچے کے لیے غذا کا اہتمام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پہلے فرما دیتے ہیں۔ جس

زمین سے پہلے اناج منوں میں پیدا ہوتا تھا‘ آج ٹنوں میں پیدا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نئے نئے آپشنز زراعت کے حوالے سے بھی عطا فرما دیے اور تجارت کے حوالے سے بھی۔ نئے نئے پیشے اختیار کیے جا چکے ہیں۔ کسی نے خوب کہا کہ پتھر کا زمانہ اس لیے ختم نہیں ہوگیا کہ پتھر ختم ہو گئے‘ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور وسائل عطا فرما دیے۔ آبادی میں غیر معمولی اضافے کے باوجود آج بھی غذائی اجناس اصل ضرورت سے زیادہ ہیں۔ آج لوگ واقف ہیں کہ قیمت کو مستحکم رکھنے کے لیے ٹنوں اناج کو دنیا کے کئی ممالک میں سمندروں میں ڈمپ کر دیا جاتا ہے۔ یہ سراسر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر وسائل کی کمی کبھی نہیں رہی‘ بس وسائل کی منصفانہ تقسیم اور شہریوں کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے عادلانہ نظام کا قیام ناگزیر ہے۔

آج اگر پاکستان کی بات کی جائے تو چند گھرانے ایسے ملیں گے جن کے کُتوں کے لیے غذائیں باہر سے امپورٹ ہوتی ہیں۔ خودکشیوں کی تعداد غرباء کے علاقوں اور گھرانوں میں بہت زیادہ ملیں گی۔ کچھ عرصے پہلے ہمارے ہاں کے تقریباً پانچ سو خاندانوں کی فہرست چھپی تھی جو دولت کے خزانے پر قابض ہیں۔ بڑے بڑے ڈیفالٹرز ہیں جو اس قوم کا اربوں روپے کھا چکے ہیں۔ ظالمانہ نظام وسائل کو عوام تک پہنچنے نہیں دیتا۔ اس کے خاتمے کی جِدّوجُہد کرنی ہے‘ نہ کہ خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر اللہ تعالیٰ کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کیا جائے اور فطرت سے بغاوت کا راستہ اختیار کیا جائے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے لیے اقدامات معاشرے میں زنا کے فروغ کا باعث بن رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں زنا کی ممانعت کا ذکر ہے۔ یہ بڑا عجیب ربط ہے جو قرآن عطا کرتا ہے۔ اس کو ہم‘ ان شاء اللہ تعالیٰ‘ اگلے درس میں سمجھیں گے۔ ایامِ جاہلیت میں زنا کے نتیجے میں اولاد کے پیدا ہونے کا خوف ہوتا تھا‘ اب وہ خوف بھی ختم ہوگیا ہے۔ اس کے آگے کی بات بیان کرنے میں جھجک آتی ہے۔ تاہم یہاں قتل اولاد سے منع کیا گیا ہے‘ جس کو آج خاندانی منصوبہ بندی کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ بوجھ کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

فتنۂ تصویر اور قحط الرِّجال

فرمانِ رسول ﷺ کو نظر انداز کرنے کا ناقابلِ تلافی نقصان

محمد رشید عمر☆

مسلمان گھرانوں میں بالعموم کتا اس لیے نہیں رکھا جاتا کہ گھروں میں فرشتے داخل نہیں ہوتے‘ لیکن اس بات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ جہاں تصویریں ہوں وہاں بھی اللہ کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ جہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے وہاں گویا رحمتِ الٰہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ رحمت کا تعلق بلاواسطہ حکمت سے ہے اور جب رحمت کے دروازے بند ہو جائیں گے تو حکمت کے حصول کے دروازے بند ہو جائیں گے اور حکیم‘ نکتہ رس سیرت و کردار کی حامل پختہ اور دانا شخصیتیں پیدا نہیں ہوں گی۔ نتیجتاً امت قحط الرجال کا شکار ہو جائے گی۔ یہ ہے اس دور کا عظیم فتنہ جس کے برے اثرات سود سے بھی بڑھ کر اُمّتِ مُسلمہ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ کسی جاندار کی تصویر ہاتھ سے بنائی جائے یا کسی قسم کے کیمرے سے بنائی جائے‘ وہ ساکن ہو یا متحرک‘ تصویر کے حکم میں ہی آتی ہے۔ تصویر متحرک اس وقت نظر آتی ہے جب اس کے مختلف مناظر ایک خاص رفتار سے آنکھ کے سامنے پیش کیے جائیں۔ اصل میں تو وہ ساکن تصویروں کا ایک تسلسل ہوتا ہے جو ہمیں متحرک صورت میں نظر آتا ہے۔ جس طرح ہم نے دیکھنے کی صلاحیت کو دوربین اور خوردبین کے ذریعے بڑھا لیا ہے‘ سننے کی صلاحیت کو آلاتِ سماعت کے ذریعے بہتر کر لیا ہے‘ اسی طرح تصویر سازی کی صلاحیت میں کیمرے کی ایجاد سے عمدگی پیدا کر لی گئی ہے‘ چنانچہ ہر قسم کی تصویر بہرحال تصویر ہے۔

علمائے کرام نے تصویر کی اجازت صرف ناگزیر تمدنی ضرورت کے تحت دی ہے‘ مثلاً شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لیے۔ اسی طرح دعوتی و تبلیغی مقاصد کے لیے ویڈیو ریکارڈنگ کو

☆ رابطہ: 0348-6722637

بھی دورِ حاضر کے بعض علماء جائز سمجھتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور مولانا طارق جمیل وغیرہ کے دروس وخطابات کے ذریعے بہت بڑے پیمانے پر دین کی دعوت واشاعت کا کام جاری ہے۔

تصویر کے بارے میں فرموداتِ نبویہ کیا ہیں‘ چند آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔

(۱) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ)) (متفق علیہ)

’’فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو‘ اور نہ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں تصویریں ہوں۔‘‘

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ)) (متفق علیہ)

’’اللہ کے نزدیک سخت ترین عذاب کے مستحق مصور ہوں گے۔‘‘

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں‘ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ بہت اداس اور غمگین نظر آئے۔ (اس اداسی اور غمگینی کا سبب بیان کرتے ہوئے) فرمانے لگے:

((اِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ وَعَدَنِيْ اَنْ يَلْقَانِي اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِيْ، اَمَا وَاللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِيْ))...... ثُمَّ وَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَنَا، فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ، ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ، فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ فَقَالَ لَهٗ: ((قَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِي الْبَارِحَةَ؟)) قَالَ: اَجَلْ، وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ، فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، حَتّٰى اِنَّهٗ يَاْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ وَيَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ (رواہ مسلم)

’’حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آج رات میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ میرے پاس آئے نہیں۔ اللہ کی قسم (اس سے پہلے) ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ انہوں نے وعدہ

خلافی کی ہو‘...... پھر (اچانک) آپ ﷺ کے ذہن میں کتے کے ایک پلے کا خیال آیا جو ہمارے (بستر کے نیچے بن جانے والے) ایک خیمہ (نما حصے) میں پڑا تھا۔ (چنانچہ آپ ﷺ سمجھ گئے کہ حضرت جبرائیل اس پلے کی وجہ سے میرے پاس نہیں آئے۔) آپ ﷺ نے اس پلے کو نکال دینے کا حکم دیا تو اسے وہاں سے نکال دیا گیا‘ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں میں پانی لے کر اس جگہ پر چھڑکا جہاں وہ پلہ بیٹھا ہوا تھا۔ پھر جب شام ہوئی تو حضرت جبرائیل آپؐ کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ’’آپ نے گزشتہ شب مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا؟‘‘ حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا کہ ’’ہاں! لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کُتا یا تصویر ہو‘‘۔ اس کے بعد دوسرے دن صبح کو رسول اللہ ﷺ نے کُتوں کو مارنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ چھوٹے باغوں (اور کھیتوں) کے کُتوں کو بھی مارنے کا حکم دیا (جہاں رکھوالی کے لیے کُتوں کی ضرورت نہیں ہوتی) اور بڑے باغوں (اور کھیتوں) کے کُتوں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔‘‘

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مقام اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

﴿مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾﴾ (التکویر) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ آسمانوں میں امانت دار اور قابلِ اطاعت مقام رکھتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری انہی کی تھی۔ انہی کے شعبے سے تعلق رکھنے والے فرشتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کے دلوں کو سکون بخشیں‘ بروقت ہدایت کی باتیں ان کے دلوں پر الہام اور القاء کریں اور مصیبت کے وقت انہیں صبر کی دولت سے نوازیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

’’جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے‘ یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو‘ نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی......‘‘

اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اسلامی معاشرتی اور معاشی اخلاقیات (قرآن کے مضامین حکمت و موعظت کا نچوڑ) کو اپنی سیرت و کردار کا حصہ بنا لیتے ہیں‘ ان کی مدد ایسے فرشتوں کے ذریعے کی جاتی ہے اور ان کو خیر کثیر سے نواز دیا جاتا ہے۔ اس خیر کثیر کے جاموں سے سرشار لوگوں کی مثالیں اصحابِ رسول ﷺ کے بعد دیکھنی ہوں تو امام احمد بن حنبل‘ امام ابوحنیفہ‘ امام محمد بن اسماعیل بخاری‘ ابن تیمیہ‘ برصغیر میں شیخ احمد سرہندی‘ شاہ ولی اللہ اور شاہ اسماعیل شہید وغیرہم ؒ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مملکت خداداد پاکستان کی آزادی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس خطے کو کتنی ہی سربلند شخصیات سے نوازا۔ مثلاً شیخ الہند‘ حضرت تھانوی‘ عثمانی برادران‘ جوہر برادران‘ مولانا الیاس‘ مولانا زکریا‘ علامہ اقبال‘ محمد علی جناح‘ مولانا مودودی وغیرہم ؒ۔ پاکستان بننے کے بعد کچھ شخصیات جو ان حضرات کی باقیات میں سے تھے ان کا نام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب سے فتنۂ تصویر عام ہوا ہے قحط الرِّجال کا عالم ہے‘ اور آج مذکورہ بالا شخصیات کے ہم پلّہ کوئی شخصیت ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی معرکۃ الآراء تحقیق یا کوئی علمی کارنامہ سامنے آ رہا ہے۔

یہ قحط الرجال کیوں ہے؟ مسلمان کی حکمت و دانش کہاں چلی گئی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بڑا سبب فرمانِ رسول ﷺ کو نظرانداز کر دینا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے آواز سے متعلق موسیقی کے شعبے کو حرام قرار دیا‘ مگر آج وہ عام ہے۔ اسی طرح بصریات کے شعبے میں تصویر کشی کو حرام قرار دیا‘ لیکن یہ فتنہ افرادِ ملت کو اس طرح لپیٹ میں لے چکا ہے کہ تصویری آلات کو ضروریاتِ زندگی میں فرض کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے مہتمم اعلیٰ کی جیب میں بھی سمارٹ فون موجود ہے‘ جس کے استعمال کی صورت میں تصاویر سے بچنا اس کے اختیار میں نہیں ہے —— اور سمارٹ فون کے استعمال میں تصاویر کا معاملہ بے ہودگی اور فحاشی تک جا پہنچتا ہے —— اور جہاں تصاویر ہوں گی‘ وہاں حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی رو سے ان کے شعبے سے متعلق فرشتے آج کے رہبرانِ دین کے پاس کیسے آئیں گے؟ جب رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے تو حکمت و دانش کی ہوا انہیں کہاں سے لگے گی؟ رحمت اور حکمت آپس میں مربوط ہیں۔ رحمت ہوگی تو حکمت ہوگی۔ رحمت کا دروازہ بند ہوگا تو حکمت کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی مختلف آیات کا تقابلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ آیات کو

موعظت‘ تزکیہ کو شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ‘ تعلیمِ کتاب کو ہدایت اور تعلیمِ حکمت کو رحمت قرار دیا گیا ہے (الجمعۃ:۲‘ یونس:۵۷)۔

ہمارے اسلاف میں تو حکمائے اُمت کا مقام رکھنے والی شخصیات پیدا ہوئیں‘ مگر آج ہم ایسی شخصیات سے کیوں محروم ہیں؟ اس کا سبب نبی کریم ﷺ کے مذکورہ بالا فرمودات کی نافرمانی ہے‘ جس کا خمیازہ ہم قحط الرجال کی شکل میں بھگت رہے ہیں۔ تصویر کی حرمت کی سچائی مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے جب ہم اپنی نوجوان نسل کو اپنے سامنے اس فتنے کا شکار ہو کر تباہ ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ایک فرمان ملاحظہ ہو‘ اس میں شاید ایسے ہی فتنے کے دور کی پیشین گوئی کے الفاظ موجود ہیں۔ حضرت ابن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

((تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ، فَاِنِّیْ امْرُؤٌ مَقْبُوْضٌ، وَالْعِلْمُ سَیُنْقَبَضُ، وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ، حَتّٰی یَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِیْ فَرِیْضَةٍ لَا یَجِدَانِ اَحَدًا یَفْصِلُ بَیْنَهُمَا)) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم‘ رواہ الدارمی و الدارقطنی)

’’علم سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ‘ علم فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ‘ قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ‘ اس لیے کہ بیشک میں ایک ایسا شخص ہوں جو اٹھا لیا جاؤں گا‘ اور عنقریب علم بھی اٹھا لیا جائے گا‘ اور فتنے ظاہر ہوں گے‘ یہاں تک کہ دو شخص ایک فرض چیز میں اختلاف کریں گے اور کسی کو نہ پائیں گے جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے۔‘‘

یقیناً ہم اس فتنے سے بچ سکتے ہیں اور اپنے اوپر اللہ کی رحمت کے بند دروازے کھلوا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ہمت اور ارادے کی ضرورت ہے۔ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل ڈھونڈا نہ جاسکتا ہو۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

دورانِ تلاوت
قرآن حکیم پر فوری عمل
کی ایک ممکنہ صورت

حافظ محمد مشتاق ربانی

قرآن حکیم پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہم میں سے ہر ایک سے کلام کر رہا ہے اور وہ بھی چاہتا ہے کہ ہم بھی اس کے ساتھ ہم کلام ہوں‘ اس کے سوالات کے جواب دیں اور اس کی پکار پر لبیک کہیں۔ اس کی بہت سی آیات ایسی ہیں جنہیں پڑھنے کے ساتھ ہی ان پر عمل کرنا چاہیے۔ مثلاً سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾﴾

’’اللہ اور اس کے ملائکہ نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کے بعد اہل ایمان کو نبی مکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی تلقین کی ہے‘ بلکہ صَلُّوْا فعل امر ہے جو آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا متقاضی ہے۔ چنانچہ قاری کو چاہیے کہ وہ اگلی آیت پڑھنے سے قبل آنحضور ﷺ پر درود و سلام بھیجے‘ یا تلاوت مکمل کرنے کے بعد اس آیت پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجے۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ جمعۃ المبارک میں جب خطیب اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ آیت کے ختم ہونے پر درود شریف پڑھتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ

اس آیت کے بعد درود شریف پڑھنا اس وجہ سے بھی بہتر ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ذکر ہے۔

تلاوت کرتے ہوئے بعض آیات کا فوری جواب دینے کے بارے میں خود قرآن حکیم کا اپنا بھی اسلوب ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ﴾ (النمل:۶۳)

’’اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری دے کر بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ بھی (یہ کام کرتا) ہے؟‘‘

اس کے فوراً بعد جواب ملا:

﴿تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ (النمل)

’’بہت بالا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔‘‘

اسی طرح قرآن حکیم میں بعض معاملات پر قاری سے سوالات پوچھے گئے ہیں‘ جن کا قاری کو جواب دینا چاہیے۔ سورۃ الواقعہ میں پوچھے گئے چند سوالات ملاحظہ ہوں:

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾

’’کبھی تم نے غور کیا‘ یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو‘ اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟‘‘

کھیتی کے اُگنے کے بارے میں سوال کیا گیا:

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾

’’کبھی تم نے سوچا‘ یہ بیج جو تم بوتے ہو‘ ان سے کھیتیاں تم اُگاتے ہو یا ان کے اُگانے والے ہم ہیں؟‘‘

پینے کے پانی کے بارے میں استفسار کیا گیا:

﴿اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾﴾

''کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا' یہ پانی جو تم پیتے ہو' اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟''

آگ کے بارے میں پوچھا گیا:

﴿اَفَرَءَیۡتُمُ النَّارَ الَّتِیۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِـُٔوۡنَ ﴿۷۲﴾﴾

''کبھی تم نے خیال کیا' یہ آگ جو تم سلگاتے ہو' اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟''

کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مذکورہ بالا پوچھے گئے سوالات پر قاری کو جواب دینا چاہیے یا ان کی تلاوت کر کے خاموشی سے آگے گزر جانا چاہیے؟ نہیں' بلکہ مذکورہ بالا آیات کا قاری کو جواب دینا چاہیے کہ اللہ ہی ہے جو نطفہ کی تخلیق کرتا ہے' وہی ہے جو کھیتی اُگاتا ہے' وہی بارش برساتا ہے اور اسی نے آگ جلانے والے درخت پیدا کیے ہیں۔ اس طرح قرآن حکیم کے ان سوالات کے جواب دینے سے تلاوت کے حقیقی ثمرات ہم پر مرتب ہوں گے۔ جیسا کہ محترمہ سمیہ رمضان اپنی کتاب ''قرآن پر عمل'' میں لکھتی ہیں:

''(قرآن میں) سوال و جواب' وعدے وعید اور اوامر و نواہی ہیں' لہٰذا پڑھتے وقت ہمارا فرض ہے کہ ہم قرآن کے سوالوں کے جوابات دیں۔ اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر اور استغفر اللہ کے کلمات حسبِ موقع ومحل ادا کریں۔ سجدے کی آیات پر سجدہ کریں۔ دعا کے بعد آمین کہیں۔ جہنم کا بیان پڑھیں تو آگ سے پناہ مانگیں' جنت کا تذکرہ پڑھیں تو پروردگار سے جنت کا سوال کریں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کا یہی طریقہ تھا۔ اس طرح کا طرزِ عمل اختیار کرنے سے ہم پراگندہ ذہنی اور عدم توجہی سے محفوظ رہیں گے''۔(۱)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز میں اس طرح کی آیات تلاوت کرتے ہوئے نمازی کو جواباً کچھ کلمات ادا کرنے چاہئیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں چند ایسی احادیث ملتی ہیں' جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں بھی اس طرح کی آیات کے جواب میں کچھ کلمات ادا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے

کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نفل نماز میں جنت و دوزخ کے تذکرہ والی آیات تلاوت کرتے ہوئے فرماتے: ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ، وَيْلٌ لِاَهْلِ النَّارِ))(۲) ''میں دوزخ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں' اور اہلِ دوزخ کے لیے بربادی ہے''۔ اسی طرح حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

كنت اقوم مع رسول الله ﷺ ليلة التمام فكان يقرأ سورة البقرة و آل عمران والنساء فلا يمر بآية فيها تخويف الا دعا الله عزوجل واستعاذ ولا يمر بآية فيها استبشار الا دعا الله عزوجل ورغب اليه (۳)

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چودھویں رات کو قیام اللیل کے لیے کھڑی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ سورۃ البقرۃ' آل عمران اور النساء کی تلاوت کرتے۔ دورانِ تلاوت جب بھی کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں ڈر اور وعید کی بات ہوتی تو آپؐ اللہ تعالیٰ سے اس سے بچنے کے لیے دعا کرتے اور اس عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے' اور جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں خوشخبری کا پہلو ہوتا تو اس کے حاصل ہونے کے لیے اللہ سے دعا کرتے اور اس کی طرف رغبت فرماتے''۔

نماز کے دوران اس طرح کے کلمات ادا کرنا مستحب ہے☆ جیسا کہ امام الشوکانیؒ (م ۱۲۵۵ھ) ''نیل الاوطار'' میں امام نوویؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

فيه استحباب هذه الامور لكل قارئ فى الصلاة وغيرها يعنى فرضها ونفلها وللامام والماموم والمنفرد (۴)

''یہ ان اُمور میں سے ایک ہے جو امام' مقتدی اور منفرد (تنہا) فرض یا نفل نماز ہر دو صورتوں میں نماز پڑھنے والوں کے لیے مستحب کا درجہ رکھتا ہے''۔

قرآن حکیم کے ان تمام مقامات کا احاطہ تو نہیں کیا جا سکتا جنہیں پڑھتے ہی مناسب کلمات ادا کرنے چاہئیں یا موقع ومحل کی مناسبت سے مناسب طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے' البتہ نمونے کے طور پر چند مقامات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝﴾ (الرحمٰن)

''(اے جن وانس!) تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!''

یہ آیت سورۃ الرحمٰن میں تکرار کے ساتھ ۳۱ مرتبہ وارد ہوئی ہے۔ اس کو بار بار پڑھتے ہوئے قاری کے دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کا احساس پیدا ہونا چاہیے' جیسا کہ جنات بھی جب یہ آیت سنتے تو اعترافِ نعمت پر مبنی چند کلمات ادا کرتے۔ مستدرک حاکم میں

حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

لَمَّا قرأ رسولُ اللّٰہ ﷺ سُوْرَۃَ الرَّحْمٰنِ عَلٰی اَصْحَابِہٖ حَتّٰی فَرَغَ قَالَ : ((مَالِیْ اَرَاکُمْ سُکُوْتًا لَلْجِنُّ کَانُوْا اَحْسَنَ مِنْکُمْ رَدًّا، مَا قرأتُ عَلَیْھِمْ من مَرَّۃٍ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ اِلَّا قَالُوْا: وَلَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ)) (۵)

’’رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہؓ کے سامنے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو فرمانے لگے: ’’کیا بات ہے کہ میں تمہیں خاموش دیکھ رہا ہوں؟ تم سے بہتر تو جن تھے جب اور جتنی مرتبہ میں نے ان کے سامنے آیت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پڑھی ہر بار انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے‘ تیرے ہی لیے (ہر طرح کی) حمد ہے۔‘‘

(۲) ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۭ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۱۸۶﴾ (البقرۃ)

’’اور (اے نبی ﷺ!) جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دیں کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے‘ میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں‘ (یہ بات انہیں سنا دیں) تاکہ وہ راہِ راست پالیں۔‘‘

یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد قاری کے لیے بہترین موقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے کوئی دعا مانگے‘ کیونکہ اللہ ربّ العزت خود اپنے سے مانگنے کے لیے دعوت دے رہا ہے۔ اس وقت مانگی ہوئی دعا‘ ان شاء اللہ قبول ہوگی۔ جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل پایا تو ان سے پوچھا: ﴿اَنّٰی لَكِ ھٰذَا ۭ﴾ (آل عمران:۳۷) ’’یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟‘‘ حضرت مریمؑ نے جواب دیا: ﴿ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاۗءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۳۷﴾ (آل عمران) ’’وہ (کھانا اور پھل) اللہ کے پاس سے آیا ہے‘ یقیناً اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔‘‘

اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ بی بی مریم کو بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے تو پھر مجھے بھی وہ اولاد دینے پر قادر ہے۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے وہاں کھڑے کھڑے

فوراً دعا کی۔ آپ کی دعا کا نقشہ قرآن حکیم میں بڑے خوبصورت انداز میں کھینچا گیا ہے:

﴿ھُنَالِكَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ۚ قَالَ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَاۗءِ ۳۸﴾ (آل عمران)

’’یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا: پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا فرما‘ یقیناً تو ہی دُعا سننے والا ہے۔‘‘

(۳) ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۱۹۰﴾ (آل عمران)

’’بے شک زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ہوش مندوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔‘‘

یہ آیت کائنات میں غور وفکر کی دعوت دے رہی ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے:

((وَیْلٌ لِمَنْ قَرَأَھَا وَلَمْ یَتَفَکَّرْ فِیْھَا)) (۶)

’’اس کے لیے تباہی ہے جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس پر غور نہ کیا۔‘‘

جب ہم اس کائنات پر غور کریں گے تو ہمیں اس کائنات کی تخلیق میں کہیں بھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ﴾ (الملک:۳)

’’تم رحمان کی تخلیق میں کسی طرح کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔‘‘

جیسا کہ اس کائنات پر غور وفکر کرنے والے خود پکار اٹھتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۱۹۱﴾ (آل عمران)

’’پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے‘ تو پاک ہے (اس سے کہ تو عبث کام کرے) پس اے ہمارے ربّ! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔‘‘

(۴) ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۹۰ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ۹۱﴾ (المائدۃ)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے‘ یہ سب گندے

شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو' اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟''

آیت ۹۱ کے آخر میں ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱﴾ وارد ہوا ہے کہ بتاؤ اب بھی ان حرام چیزوں سے باز آتے ہو یا نہیں؟ چنانچہ قاری اگر شراب اور جوئے میں کسی طور سے ملوث ہے تو اسے عہد کرنا چاہیے کہ وہ آئندہ ان سے باز رہے گا۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے جب یہ آیات سنیں تو پکار اُٹھے : ''اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا''(۷)
''اے ہمارے ربّ! ہم ان سے باز آ گئے۔''

(۵) ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹﴾ (الاعراف)

''(اے نبیﷺ!) نرمی و درگزر اختیار کرو' نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔''

قاری جب اس جیسی آیات کی تلاوت کر رہا ہو جن میں عفو و درگزر کی تلقین کی گئی ہو' تو وہ فوراً سوچے کہ کسی آدمی نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی ہوئی' اور اگر وہ کسی ایسے شخص کو پائے تو اسے فوراً معاف کر دے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ عیینہ بن حصن اپنے بھتیجے حُر بن قیس کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عیینہ بن حصن کہنے لگا: فَوَاللّٰهِ مَا تُعْطِيْنَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ ''اللہ کی قسم! آپ ہم کو بہت سا مال نہیں دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہیں''۔ اس کی بات پر حضرت عمرؓ برہم ہوئے اور اسے سزا دینی چاہی' لیکن حر بن قیس نے مذکورہ بالا آیت پڑھی اور کہا: یہ بھی ایک جاہل ہے' تو حضرت عمرؓ سن کر فوراً رُک گئے۔(۸)

(۶) ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱﴾ (الاعلیٰ)

''(اے پیغمبرﷺ) اپنے ربّ برتر کے نام کی تسبیح کیجیے۔''

تسبیح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام باتوں سے پاک سمجھنا جو اس کی جلالت شان کے خلاف ہیں۔ گویا اس میں تنزیہہ کا پہلو ہے۔ سورۃ الاعلیٰ کی اسی پہلی آیت کا جواب سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کے کلمات کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ سنن ابی داوٗد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ اِذَا قَرَاَ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ قَالَ :((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى))(۹)

''رسول اللہﷺ جب سورۃ الاعلیٰ کی آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کے کلمات ادا کرتے تھے۔''

عبداللہ بن زبیرؓ تو نماز میں یہ آیت سنتے ہی ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' کہہ دیتے۔(۱۰) حضرت علیؓ نے بھی اس آیت کے سننے پر اس کے جواب میں ایسا پڑھا تو آپؓ سے کہا گیا: اَتَزِيْدُ فِي الْقُرْآنِ؟ ''کیا آپ قرآن میں اضافہ کر رہے ہیں'' تو آپؓ نے جواب دیا: لَا! اِنَّمَا اُمِرْنَا بِشَيْءٍ فَقُلْتُهٗ ''نہیں! ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے' لہٰذا میں نے یہ کہا ہے۔''(۱۱)

اسی طرح ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ (الواقعۃ:۷۴ والحاقۃ:۵۲) کا جواب ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' ہے۔

مسند احمد میں حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہﷺ نے ہم سے فرمایا: ''اسے اپنے رکوع میں رکھ لیں (یعنی اس کا جواب حالت رکوع میں دیا کریں: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ) پھر جب آیت ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ نازل ہوئی تو آپﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنے سجدوں میں رکھ لیں (یعنی اس کا جواب حالت سجدہ میں دیا کریں: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى)''(۱۲)

(۷) ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸﴾ (التین)

''کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟''

اس آیت میں گویا اللہ تعالیٰ اپنے حاکم ہونے کے بارے میں انسان سے پوچھ رہا ہے کہ تم کبھی ایک فرد کو اقتدارِ اعلیٰ سونپتے ہو' کبھی عوام کو اقتدار کا حق تفویض کرتے ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ لہٰذا اس آیت کی تلاوت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار کرنا چاہیے' جیسا کہ نبی کریمﷺ جب بھی اس آیت کی تلاوت کرتے تو آپؐ جواباً فرماتے: ((بَلٰى، وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ))(۱۳) ''کیوں نہیں! اور میں اس پر گواہ ہوں (کہ اے اللہ! تو سب سے بڑا حاکم ہے)۔''(۱۴)

(۸) ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى ۝۴۰﴾ (القیامۃ) ''کیا وہ ہستی اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرے؟''

اس کے جواب میں ((اٰمَنَّا بِاللّٰہِ))(۱۵) یا ((سُبْحٰنَکَ فَبَلٰی))(۱۶) کے کلمات آپ ﷺ کی طرف سے ملتے ہیں۔ موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت ہے:

((کَانَ رَجُلٌ یُصَلِّی فَوْقَ بَیْتِہٖ وَکَانَ اِذَا قَرَاَ ﴿اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ﴿۴۰﴾﴾ قَالَ سُبْحَانَکَ فَبَلٰی، فَسَأَلُوْہُ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ: سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ))(۱۷)

’’ایک آدمی اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھ رہا تھا‘ اور جب وہ ﴿اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ﴿۴۰﴾﴾ کی تلاوت کرتا تو کہتا ’’سُبْحَانَکَ فَبَلٰی‘‘ تو لوگوں نے اس سے اس بارے میں سوال کیا (کہ وہ ایسا نماز میں کیوں کہہ رہا ہے) تو اس نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کہتے ہوئے سنا تھا۔‘‘

(۹) ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ ﴿۲۶﴾﴾ (الغاشیۃ)

’’پھر ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمہ ہے۔‘‘

اس آیت میں وعید ہے‘ لہٰذا قاری کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے آسان حساب لینے کی دعا کرے‘ جیسا کہ بعض لوگ نماز میں یہ آیت سنتے ہی جواباً ’’اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا‘‘ کہتے ہیں‘ یعنی ’’اے اللہ! میرا حساب آسان فرمانا!‘‘(۱۸)۔ قاری کو چاہیے کہ نماز کے علاوہ تلاوت قرآن حکیم میں بھی اس آیت کو پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے آسان حساب لینے کی دعا کرے۔

اس طریقے سے قرآن حکیم پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سے آشنا ہوں‘ لیکن اگر عربی زبان سے تاحال عدمِ واقفیت ہے تو تلاوت کرتے وقت کم از کم ترجمے والا قرآن سامنے ہو‘ تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن حکیم کے ایسے مقامات سے تیزی سے گزر جائیں جہاں کچھ توقف کی ضرورت ہو‘ جہاں کچھ دیر سوچ و بچار اور اپنا جائزہ لینا درکار ہو۔

حواشی

(۱) سمیہ رمضان (مؤلفہ) محمد ظہیر الدین بھٹی (مترجم) قرآن پر عمل‘ ص ۳۴۔

(۲) احمد بن حنبل‘ مسند احمد۔

(۳) احمد بن حنبل‘ مسند احمد۔

☆ شافعیہ کے نزدیک فرض و نفل دونوں قسم کی نمازوں میں اس طرح کی آیات کی تلاوت کے بعد مناسب کلمات ادا کرنا مستحب ہے‘ جبکہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک صرف نوافل میں اجازت

ہے‘ فرض نمازوں میں نہیں۔ چنانچہ مضمون نگار نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن ابیہ کے واسطے سے جو روایت نقل کی ہے وہ حضرت حذیفہ ؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے: **سمعت النبی ﷺ یقرءُ فی صَلاۃٍ لیست بفریضۃ فمر بذکر الجنۃ والنار فقال اَعُوذ باللّٰہ من النار، ویل لاھل النّارِ** (رواہ احمد وابن ماجہ) اس سلسلے کی دیگر مروی احادیث میں حدیث جابر ؓ تو خارج نماز کی حالت بیان کر رہی ہے‘ جبکہ حدیث ابوہریرہ وابن عباس ؓ میں اگرچہ داخل نماز اور خارج نماز دونوں کا احتمال ہے‘ لیکن **الاحتمال یبطل الاستدلال**۔ مزید حضرت عائشہ ؓ کی حدیث میں قیام اللیل کی صراحت موجود ہے۔ ان دونوں جلیل القدر ائمہ کے نزدیک اصول یہ ہے: **تجرید القراء ۃ عن غیر القرآن فی الصلوٰۃ** ہے‘ لیکن محض احتمال اور بلا دلیل اس اصل سے روگردانی صحیح نہیں ہے‘ لیکن بایں ہمہ اگر کوئی فرض نماز میں اس پر عمل کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی بشرطیکہ اس نے یہ جوابی کلمات سِرًّا ادا کیے ہوں۔ (ادارہ)

(۴) الشوکانی‘ محمد بن علی بن محمد‘ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار۔ المجلد الاوّل‘ الجزء الثانی۔ ص: ۳۷۴۔

(۵) مستدرک حاکم‘ کتاب التفسیر‘ تفسیر سورۃ الرحمن‘ رقم الحدیث: ۳۷۲۵۔

(۶) ابوعبداللّٰہ القرطبی‘ الجامع لأحکام القرآن‘ ۱/۳۱۰۔

(۷) ابن کثیر‘ تفسیر القرآن العظیم‘ ۲/۸۸۔

(۸) امام بخاریؒ ‘ صحیح البخاری‘ کتاب التفسیر‘ باب: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ﴾‘ رقم: ۴۳۶۶۔

(۹) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الصلاۃ‘ باب الدعاء فی الصلاۃ‘ ۷۴۹۔

(۱۰) السیوطی‘ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۶/۳۳۹۔

(۱۱) ایضاً ۶/۳۳۹۔

(۱۲) تفسیر ابن کثیر۔

(۱۳) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الصلاۃ‘ باب مقدار الرکوع والسجود‘ رقم: ۸۸۷۔

(۱۴) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الصلاۃ‘ باب مقدار الرکوع والسجود‘ رقم: ۸۸۷۔

(۱۵) ایضًا‘ رقم: ۸۸۷۔

(۱۶) ایضًا‘ کتاب الصلاۃ‘ باب الدعاء فی الصلاۃ‘ رقم: ۸۸۳۔

(۱۷) احمد بن حنبل‘ مسند احمد۔

(۱۸) نماز کے دوران اس آیت کو سنتے ہی ’’اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا‘‘ کے جو الفاظ کہے جاتے ہیں‘ اس کا حوالہ تفسیر وحدیث کی کتب میں نہیں مل سکا۔

اُمتِ مُسلمہ کا عروج وزوال

پروفیسر عبدالعظیم جانباز☆

اِس وقت عالَمِ اِسلام جن دِل سوز‘ پُرآشوب‘ صبرآزما اور کٹھن مراحل سے گزر رہا ہے ہر صاحبِ درد ان سے آزردہ اور کبیدہ خاطر نظر آتا ہے۔ اِسلام کے قلب وجگر پر جس قدر‘ جس تیزی اور جس منصوبہ بندی سے حملے ہو رہے ہیں‘ تاریخ شاید اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہو۔ بزمِ اِسلام جس قدر خارجی و داخلی فتنوں کی شکار موجودہ دور میں ہے شاید اس سے پہلے نہ ہوئی ہو۔ قبلہ اوّل صہیونیوں کے پنجۂ استبداد میں ہے تو حرمین شریفین طاغوتی قوتوں کے نرغے میں ہیں۔ دجال کی قوم یہود عظیم تر اسرائیل (Greater Israel) کے منصوبے کے تحت خیبر اور مدینہ پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ شام‘ مصر‘ فلسطین‘ عراق‘ چیچنیا‘ افغانستان‘ کشمیر‘ برما سلگ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اموال لٹ چکے ہیں۔ ہماری ماؤں‘ بہنوں‘ بیٹیوں کی عصمتیں تار تار ہو رہی ہیں۔ دنیا کے طول وعرض میں اگر کوئی قوم اس وقت قحط‘ خوف‘ ذلت وپستی‘ ظلم و بربریت اور غارتگری کی شکار ہے تو وہ مذہبِ اِسلام سے تعلق رکھنے والی قوم مسلمان ہے۔

یہ تو عالَمِ اِسلام پر بیرونی اور خارجی فتنوں کا سرسری خاکہ ہے‘ جبکہ دوسری طرف مذہبی گروہ بندیاں‘ فرقہ واریت‘ قومیت اور عصبیت کے بدبودار نعرے‘ اِلحاد وزندقہ‘ مغرب کے اَفکار سے مرعوبیت‘ بے پردگی‘ فحاشی اور عریانیت کا سیلاب‘ یہ وہ داخلی اور اندرونی فتنے ہیں جو قوم وملت کو اندر ہی اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ مسلم اُمہ پر آئے ان حالات و مصائب کے پیچھے یقیناً کچھ اسباب ہیں۔ وہ اسباب کیا ہیں؟ ہم اپنے طور پر انہیں آشکارا کرنے کی کوشش کریں گے۔

اُمتِ مُسلمہ کے زوال کے سلسلے میں کوئی حتمی یا یقینی بات متعین طور سے نہیں کہی جاسکتی

☆ Azeemjanbaz77@gmail.com

کہ اس کا زوال کب شروع ہوا‘ البتہ محققین کی رائے کے مطابق شروع دور سے ہی عروج وزوال کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم تاریخ بتاتی ہے کہ بارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب مسلمانوں کا سیاسی وعسکری زوال سامنے آیا تو پھر تحقیق وتصنیف‘ اجتہاد وحرکت اور نئی دریافتوں اور ایجادوں کی راہ چھوڑ کر اُمتِ مسلمہ جمود وتعطل کا شکار ہوتی چلی گئی‘ اور اس کے نتیجے میں مسلسل پسماندگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس اُمت کا تنزل ہر میدان میں ہوا‘ سائنس‘ ٹیکنالوجی‘ صنعت کاری‘ تہذیب وثقافت‘ علوم وفنون اور اَدب وآرٹ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ ایک ترقی یافتہ قوم کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ ثریا سے تحت الثریٰ تک پہنچ گئی اور ہر میدان میں ذلیل وخوار ہوکر رہ گئی۔

ذرا ہم یاد کریں کہ یہی وہ اُمتِ محمدیہ ﷺ ہے جس نے ایک طویل مدت تک اس دُنیا پر حکمرانی کی تھی‘ جس کے وجود کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس دُنیا میں اللہ ربّ العزت کے دین کو غالب کرے‘ دُنیا کا سارا نظام اسی کی ہدایت کے مطابق ہو۔ ایک ایسی اُمت جو اپنی ایک شاندار تاریخ رکھتی تھی‘ جس کا ڈنکا پورے عالَم میں بج رہا تھا‘ اور جس کو اس عالَم کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل تھا‘ اور جس کی فتوحات کا سلسلہ کبھی رکتا نہیں تھا۔ علامہ اقبال کے بقول:

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا!

جس کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا‘ جس نے ایسی ایسی عظیم شخصیات جنم دیں کہ جنہوں نے اپنے کارناموں سے اس دُنیا کو ترقی کی نئی نئی شاہراہوں سے روشناس کرایا‘ اور جنہوں نے علم وفن کے ہر میدان میں بنیاد رکھنے کا کام کیا۔ مثال کے طور پر ابن سینا ماہرِ طب وعظیم فلاسفر‘ البیرونی ماہرِ علمِ نجوم وماہرِ ریاضی‘ فارابی ماہرِ فلسفی‘ جابر بن حیان ماہرِ علمِ کیمیا (بلکہ بابائے علمِ کیمیا) وغیرہم۔ یقیناً اِسلامی تاریخ میں ایسے لوگ کثیر تعداد میں ملتے ہیں جنہوں نے مختلف علوم وفنون میں نہ صرف مہارت حاصل کی‘ بلکہ ایسے کارنامے انجام دیے کہ اُن سے آج بھی ایک دُنیا مستفید ہو رہی ہے‘ لیکن افسوس!

گنوادی ہم نے جو اَسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا!

آج یہ اُمت زبردست جمود وتعطل کا شکار ہے اور اپنے مقصدِ تاسیس سے غافل ہے۔ اس

کی اس غفلت کو دیکھ کر ایک عام اِنسان شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے کہ کیا واقعی یہ وہی اُمت ہے جس کے پاس اپنی اس قدر شاندار تاریخ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس اَسلاف کے کارنامے صرف اور صرف زبانی دعووں تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں‘ ہم نے کبھی ان سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہماری اس تاریخ سے مغربی دُنیا نے اپنی ترقیات میں نہ جانے کتنا فائدہ اٹھایا۔ وہ اپنے تاریک دور سے نکل کر تاریخ ساز دور میں داخل ہوگئی اور اس کے افراد مختلف میدانوں میں آج نئی نئی دریافتوں اور انکشافات میں مصروف ہیں۔ ہمارے اَسلاف نے جو کارنامے انجام دیے تھے‘ ہمیں ان کو آگے بڑھانا چاہیے تھا‘ لیکن ہم مستِ مئے پندار ہیں‘ جبکہ مغربی دُنیا نے ان ہی پرانی بنیادوں کو استوار کیا اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

اَسبابِ زوالِ اُمّت

قوموں کا عروج وزوال قوم کے افراد پر منحصر ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کے افراد بیدار ہوتے ہیں تو وہ قوم ترقی کرتی ہے‘ اور جب اس کے افراد غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں تو اس قوم کو بھی پسماندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُمّتِ مُسلمہ کے زوال کے پیچھے بھی اس کے اپنے افراد کا ہاتھ ہے۔ ان میں چند ایسی خطرناک قسم کی بیماریاں پیدا ہوگئیں جو اس کے زوال کا سبب بن گئیں‘ یا جنہوں نے اس کے زوال کو بدترین صورتحال سے دوچار کرنے کا کام کیا۔ ذیل کی سطور میں انہی کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن مجید سے دُوری

یہ وہ پہلا اور بنیادی سبب ہے جس سے اُمتِ مسلمہ کا زوال شروع ہوا۔ اُمت کے عام افراد نے قرآن مجید کو حصولِ برکت اور ثواب کی کتاب سمجھ کر اس کے نزول کا اصل مقصد فراموش کر دیا اور حصولِ ہدایت سے زیادہ حصولِ برکت وثواب پر زور دیا جانے لگا۔ قرآن سے براہِ راست راہنمائی حاصل کرنے کو اتنا دشوار بنا دیا گیا کہ اِس کے نتیجے میں اہلِ علم نے بھی تفکّر وتدبّر کا میدان بالکل ہی چھوڑ دیا۔ قرآن مجید سے زیادہ اس کی تفاسیر کو اہمیت دی جانے لگی‘ یہاں تک کہ تعلیمی اداروں میں قرآن کی تدریس کے نام پر تفاسیرِ قرآن کی تعلیم دی جانے لگی۔ اُمتِ مسلمہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور قرآن مجید فرد اور

اجتماعیت کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں بہترین رہنمائی کرتا ہے‘ لیکن ہماری اپنی زندگی اور قرآنی زندگی میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ قرآن کا یہ تصور گفتگو یا تحریروں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے‘ عملی زندگی اس سے خالی نظر آتی ہے‘ قرآن کو اپنی خواہشات کے تابع بنا دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے اس کا نقشہ کیا ہی خوب کھینچا ہے:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

دین کے اُصولوں سے انحراف

زوالِ امت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اُمت کے اندر اُصولی چیزوں کے بالمقابل فروعی چیزوں کو زیادہ اہمیت دے دی گئی‘ مقاصد اور اُصول پیچھے چلے گئے اور اُمت فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی۔ فروعات کو اُصولی چیزوں پر فوقیت دی جانے لگی اور اسی کو اِسلام کا شعار سمجھ لیا گیا۔ ہمیں جس مقصد کے لیے برپا کیا گیا تھا﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران) اُمت اس سے بالکل ہی ناآشنا ہوگئی‘ اور اپنے فرضِ منصبی کے سلسلے میں مجرمانہ غفلت کا شکار ہوگئی۔ چنانچہ صورتحال یہ ہے کہ فروعی مسائل کو لے کر دوسرے فرقوں پر لعن طعن اور جنگ وجدال کا ایک بازار گرم ہے‘ کفر کے فتوے عام ہیں۔ صرف اپنے فرقے کو حق پر اور دوسرے فرقے کو باطل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سب تنگ نظری کی علامت ہے۔ اُمت اپنے اُصولوں اور مقاصد سے کوسوں دور جا چکی ہے۔ یقیناً اس چیز نے بھی اُمتِ مسلمہ کے زوال میں ایک خطرناک اضافہ کیا ہے۔

بدعملی اور ایمان سے دوری

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خلافت اور زمین پر حاکمیت کی حامل قوم کی ایک بڑی صفت ایمان‘ اعمالِ صالحہ اور شرک سے بیزاری بیان فرمائی ہے۔ (النُّور: ۵۵)

اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ (الرعد: ۱۱)

’’اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی روش کو نہ بدلے۔‘‘

ہم نے ایمان‘ اعمالِ صالحہ اور شرک سے بیزاری کے بجائے بے ایمانی‘ بدعملی اور مشرکانہ

رسوم کی روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وہ مرتبہ خلافت فی الارض کا واپس لے لیا۔ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ دیانت داری سے کاروبار کریں۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ تمہارے اخلاق سب سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔ ہم سے عہد لیا گیا تھا کہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو' ورنہ مال کی محبت تمہیں منافقت سے دوچار کر دے گی۔ ہمیں ظلم' جھوٹ اور تفرقہ بازی سے منع کیا گیا تھا اور خود احتسابی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا پابند بنایا گیا تھا۔ لیکن ہم نے ایک ایک کر کے ان سارے حکموں کو توڑ ڈالا اور رفتہ رفتہ احکامِ الٰہیہ سے روگردانی کا روگ پورے معاشرے میں سرایت کر گیا۔ ہم نے اللہ کے حکموں کو اس بے دردی سے پامال کیا کہ منصف مزاج ناقدین بھی کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: ''اسلام اچھا ہے' لیکن مسلمان اچھے نہیں!''

مسالک کے نام پر فرقہ بندیاں

پچھلی صدیوں یا دورِ زوال میں ایک چیز یہ بھی سامنے آئی کہ لوگوں نے دینِ اسلام سے زیادہ مسالک پر زور دینا شروع کر دیا' اور ان کے نزدیک ان مسالک کی اہمیت اسلام سے بڑھ کر ہو گئی۔ سب نے اِسلام کی نشرواشاعت کے بجائے اپنے اپنے مسالک کی نشرواشاعت شروع کر دی' اِسلام کا تعارف اپنے مسلک کے مطابق پیش کیا گیا' قرآن وحدیث سے زیادہ مسلکی علماء کے اقوال کو اہمیت دی جانے لگی۔ چنانچہ آج اس اُمت کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ آپس ہی میں مختلف مسائل کو لے کر لوگ الجھے ہوئے ہیں' اصل مقصد سے کوئی سروکار نہیں۔ اِتحاد واتفاق کی جگہ مسلکی تعصب اور انتشار میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ علامہ اقبال نے اِس صورتحال کی بہت خوب ترجمانی کی ہے:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ہر فرقہ دوسرے فرقے یا مسلک کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ لوگوں کے اندر سے خیر خواہی کا جذبہ بالکل ختم ہو گیا ہے' تعلیمی اداروں میں ہر کوئی اپنے اپنے مکتب فکر پر زور دے رہا ہے اور طلبہ کو اسلام کے بجائے مسالک کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ان اداروں سے کوئی باشعور مسلمان بن کر نکلے یا نہیں' لیکن ایک مسلکی مسلمان بن کر ضرور نکلتا ہے۔ دوسرے مسلک یا دوسری رائے کو سننے کے لیے برداشت کا جو مادہ موجود ہونا چاہیے' ہمارے

دینی تعلیمی اداروں میں اس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کو یقیناً تمام مسالک پر فوقیت حاصل ہے' وہی سب کا مرجع وماخذ ہیں اور انہی کے ہاتھ میں ہر صحیح اور غلط کا فیصلہ ہے' لیکن اس وقت اُمت کے اندر سے یہ تصور ختم ہو چکا ہے۔

تعلیمی پسماندگی

ہمارے سلف صالحین نے علمی میدان میں عظیم کارنامے انجام دینے کے علاوہ مختلف میدانوں میں بہت ہی بنیادی اور اہم کارنامے انجام دیے۔ ملّتِ اِسلامیہ کی آئندہ نسلوں کو ان کاموں کو آگے بڑھانا چاہیے تھا' لیکن افسوس! آج ان کی جگہ مغربی دنیا نے اس کام کا بیڑا اٹھا رکھا ہے' جب کہ اُمتِ اسلامیہ ''ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہے!'' آج دنیا میں ہم تعلیمی میدان میں بہت پیچھے مانے جاتے ہیں۔ ولیم ہیٹر نے برصغیر ہند میں مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال پر اپنا جو جائزہ پیش کیا تھا' اس میں اس نے کہا تھا: ''مسلمان قوم دوسری ترقی یافتہ قوموں سے تعلیمی میدان میں بہت پیچھے ہے''۔ ہمارے پاس مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھنے والوں کی تعداد بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم نے مختلف علوم وفنون کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ یہ دُنیاوی علوم ہیں' جن کا سیکھنا ہم مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔ اس چیز نے بھی اُمت کے زوال اور پسماندگی میں کافی اضافہ کیا ہے۔

مغربی افکار سے مرعوبیت

مال ودولت' ٹھاٹھ باٹھ' حسن وخوبصورتی' تہذیب واخلاق' تعلیم وترقی' طاقت واقتدار' عہدہ ومنصب' یہ سب وہ چیزیں ہیں جو لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ شکست خوردہ مسلمانوں نے جب یہ چیزیں مغربی اقوام میں دیکھیں تو اِس قدر مرعوب ہو گئے کہ ان کے ہر صحیح وغلط فکر ونظر اور قول وفعل کو قبول کرتے چلے گئے۔ چنانچہ مسلمان عوام اِسلامی نظریات سے کنارہ کش ہو کر مغرب کے گن گیت گانے لگے۔ یوں مسلمان' مسلمان ہوتے ہوئے بھی اِسلام کے سپاہی نہ رہے اور غیر شعوری طور پر دشمنوں کے آلہ کار بنتے چلے گئے۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ مسلمانوں کو جب آزادی ملی تو وہ آزادی صرف جسموں کی آزادی ثابت ہوئی' ذہن اور دل ودماغ غلام کے غلام ہی رہے۔

فکرونظر میں جمود

ہر عروج کو زوال ہے۔ چڑھتا سورج‘ ڈھلتے ڈھلتے‘ غروب ہو جاتا ہے۔ اُٹھتی جوانی آہستہ آہستہ بڑھاپے کی گزرگاہوں سے ہو کر موت اور فنا کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہی حال قوموں کے عروج و زوال کا بھی ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر علمی انحطاط اور فکری جمود خطرناک حد تک سرایت کر گیا۔ وہ قوم جو علوم وفنون کی اِمام اور دُنیا کی سب سے ترقی یافتہ قوم کہلائی جاتی تھی‘ مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے اسے آہستہ آہستہ علمی زوال سے دوچار کر دیا گیا۔ مغربی اقوام سائنسی اور علمی ترقی میں آگے بڑھ گئیں اور خود مغرب نے جن سے یہ علوم حاصل کیے تھے وہ صدیوں پیچھے رہ گئے۔

قومیت اور عصبیت کا نعرہ

اِسلام‘ قومیت اور لسانیت کے نعروں کا سخت مخالف رہا ہے۔ اِنسانوں میں زبانوں کے فرق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نعمت اور اپنی قدرت کا ایک کرشمہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے جو چیز اللہ کی نعمت ہو وہ زحمت اور نفرت کا باعث نہیں ہوسکتی۔ اِسی طرح قوم‘ قبیلے اور نسلی اِمتیازات کو اللہ تعالیٰ نے اِنسانوں میں صرف ایک دوسرے کی پہچان اور تعارف کا ذریعہ قرار دیا ہے‘ عزت و ذلت کا باعث ہرگز نہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا:

> ’’میری بات دھیان اور غور سے سنو! کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں‘ اِسی طرح کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت اور فوقیت کا معیار صرف اور صرف دین اور تقویٰ ہے‘ اور کچھ نہیں۔‘‘

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

> ’’مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں‘ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں‘ سوائے تقویٰ کے...... تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔‘‘

ایک سفر کے دوران ایک انصاری اور ایک مہاجر کے درمیان کچھ تلخی ہوگئی۔ انصاری نے کہا: ’’یا للانصار‘‘ اور مہاجر نے کہا ’’یا للمہاجرین‘‘...... نبی مکرم ﷺ نے جب اِس طرح

قومیت کے نعرے سنے تو فرمایا: ’’ایسے نعروں سے دور رہو! یہ بدبودار نعرے ہیں۔‘‘

نہایت افسوس کا مقام ہے! مسلمان پہلے ہی نظریاتی تفریق کا شکار تھے کہ ایسے میں تقسیم در تقسیم کا فارمولا اپناتے ہوئے قومیت‘ لسانیت اور سیاست کے نام سے مزید مسلمانوں کو علیحدہ اور تنہا کیا جارہا ہے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ ۲۲۶ سیاسی تنظیمیں پاکستان میں پائی جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ زبانوں کے جھگڑے ملک پاکستان میں ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہمیں لڑانے اور ہمیں مزید کمزور کرنے کے لیے ہیں‘ لیکن ہم ہیں کہ خواب خرگوش کے مزے لوٹنے میں مصروف ہیں۔

کافر قوموں پر حد سے زیادہ اعتماد

مسلم حکومتوں بالخصوص سلطنتِ مغلیہ کے زوال کا ایک سبب مغل بادشاہوں کا انگریزوں اور غیر مسلم اقوام پر حد سے زیادہ اعتماد بھی تھا۔ حالانکہ قرآن کریم نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں مسلمانوں کے خلاف کافر قوموں میں پائے جانے والے جذبات کی منظرکشی یوں کی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ (آل عمران)

> ’’اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ‘ یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔ اُن کی دلی خواہش ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ بغض اُن کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے‘ اور جو کچھ عداوت اُن کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتا دی ہیں تاکہ تم سمجھ سے کام لو!‘‘

اور مزید فرمایا:

﴿ھٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ ......﴾ (آیت ۱۱۹)

> ’’دیکھو! تم تو ایسے ہو کہ اُن سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے......‘‘

اِن واضح احکامات کے باوجود مسلمان حکمران اغیار سے دوستی اور رازداری کا دَم بھرتے رہے۔ انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا‘ انہیں تجارتی منصوبوں کی کھلی چھوٹ دی گئی‘ ان کے ٹیکس معاف کیے گئے اور در پردہ جاری ان کی سازشوں اور مکر و فریب سے چشم پوشی کی جاتی

رہی۔ دیکھا جائے تو عالمِ اسلام کا منظرنامہ اب بھی ویسے کا ویسا ہی ہے۔ امداد اور تعلیم کی آڑ میں مسلمانوں کو بے دین اور مرتد بنانے کے منصوبے تیار ہو رہے ہیں۔ سفارت اور تجارت کی آڑ میں دہشت گردی کے خفیہ وار ترتیب دیے جا رہے ہیں۔ ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں میں ہتھیاروں کی ترسیل‘ حکومتوں کو بنانے اور بگاڑنے‘ اتحاد کی کوششوں کو ناکارہ بنانے اور ملک بھر میں جاسوسی کا جال بچھانے تک یہ تمام ہتھکنڈے ہماری ناک کے نیچے آزمائے جا رہے ہیں‘ لیکن ہم ہیں کہ ان سے دوستی کا راگ الاپتے ہوئے تھکتے نہیں اور ہمارا ان پر اعتماد مجروح نہیں ہوتا‘ بلکہ ہم پہلے سے زیادہ گرم جوشی کے ساتھ ان سے تعاون کا ہاتھ ملانے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

خانہ جنگیاں

تاریخ کے نشیب و فراز سے ہمیں آگاہی ملتی ہے کہ کسی قوم میں علوم و فنون اس وقت ترقی پاتے ہیں جب وہ امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے۔ اِسلامی دورِ خلافت کو ہی دیکھ لیا جائے‘ جب مسلمان فوجیں مسلسل فتوحات کی جانب گامزن تھیں اور خلافت ایک مضبوط‘ پُرامن اور مستحکم پوزیشن میں آ گئی تھی تو یہی وہ دور تھا جب حدیث‘ فقہ‘ منطق‘ فلسفہ‘ سائنس اور دیگر تمام قدیم و جدید علوم و فنون میں مسلمانوں نے فتوحات کے جھنڈے گاڑے‘ علم و تحقیق کے دروازے وا ہوئے اور مسلمان دُنیا کی سب سے متمدن اور مہذب قوم کہلائی۔ اِس کے برعکس جب بھی مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگیاں ہوئیں یا بیرونی قوتیں اِسلامی سرحدات پر حملہ آور ہوئیں‘ ہمیشہ مسلمانوں کے علمی ورثے کو گہرا نقصان پہنچا‘ علم و فن کی ترقی میں رکاوٹ پیش آئی اور ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔ موجودہ دور میں امریکہ اور یورپین ممالک عرصہ دراز سے امن و سکون اور چین کی زندگی گزار رہے ہیں‘ اور ان کی ترقی کا بڑا راز یہی ہے۔ ورنہ جو قوم جنگوں کے چنگل میں پھنس جاتی ہیں وہ بھوک‘ افلاس اور جان و مال کے خوف میں مبتلا رہتی ہیں اور اپنی بقا کی فکر میں تمام سرگرمیوں سے کٹ کر رہ جاتی ہیں۔

اسے اقتدار کی لالچ کہیے یا حقوق کی جنگ‘ اپنوں کی نادانی کہیے یا غیروں کی ستم ظریفی! بدقسمتی سے آج جہاں جہاں جنگوں کے نقشے ہیں وہ سب ہم مسلمانوں کے خلاف ہی سجائے گئے ہیں۔ ہر جگہ مسلمانوں کا ہی خون بہہ رہا ہے۔ ہر جگہ مسلمان عورتیں ہی نوحہ کناں ہیں۔ بھوک

اور قحط کا شکار اور روٹی کے انتظار میں مرنے والے بچے مسلمانوں کے ہی ہیں۔ قید خانوں میں سب سے زیادہ مسلمان ہی صعوبتوں میں گرفتار ہیں۔ معیشت‘ دفاع‘ علم و ترقی غرض امن و استحکام اور خوش حالی کا ہر موقع مسلمانوں سے جان بوجھ کر چھینا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے اوپر ہر وقت جنگ کا خوف مسلط کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان کسی بھی میدان میں آگے نہ بڑھ سکیں اور وہ ہمیشہ پسماندہ‘ ناخواندہ اور غیر ترقی یافتہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں محکوم اور مغلوب بن کر غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور رہیں۔

آخری بات

اس کے علاوہ بھی دیگر اسباب ہیں جو اُمت اسلامیہ کے زوال کا سبب بنے‘ جن میں سے کچھ اُصولی نوعیت کے ہیں اور کچھ فروعی‘ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پھر سے ایک بیداری عام کی جائے‘ بھولا ہوا مقصد دوبارہ یاد دلایا جائے‘ اُمت اسلامیہ کے اندر اس کے مقصد وجود کے سلسلے میں شعور عام کیا جائے‘ دین کے اُصولوں اور مقاصد کی طرف دوبارہ واپسی کی جائے‘ ہر میدان میں پیش رفت کی جائے اور نمونہ اور مثال پیش کی جائے‘ اپنی زندگیوں کو قرآن کے رنگ میں ڈھال دیا جائے‘ تمام اختلافات کے باوجود فکر میں وسعت پیدا کی جائے‘ اور آپس کے تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کی کوشش ہو۔ یقیناً اس کے لیے ہمیں پیدائشی اور روایتی مسلمان کی جگہ ایک باشعور مسلمان بننا ہوگا‘ قرآنی تعلیمات کو اچھی طرح اور تدبر و تفکر کے ساتھ سمجھنا ہوگا۔ ہمیں پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لیے مذکورہ بالا تمام پہلوؤں سے طویل اور سخت جدوجہد کرنا ہوگی۔ یہ ہیں چند وہ اسباب‘ جن کے مدوجزر پر مسلم اُمّہ کی عروج و زوال کی تاریخ وابستہ ہے۔ اپنی گمشدہ متاع کے حصول کے لیے ہمارے لیے چند اقدامات ناگزیر ہیں۔ ربّ کائنات سے دعا ہے کہ:

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے‘ پھر ذوقِ تقاضا دے
رفعت میں مقاصد کو ہم دوشِ ثریا کر
خودداریٔ ساحل دے‘ آزادیٔ دریا دے!

مکّہ اور مدینہ کے تاریخی مقامات

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی ☆

مکّہ مکرمہ کے تاریخی مقامات

بیت اللہ

بیت اللہ شریف اللہ تعالیٰ کا گھر ہے‘ جس کا حج اور طواف کیا جاتا ہے۔ اس کو کعبہ بھی کہتے ہیں۔ یہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے زمین پر بنایا‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾﴾ (آل عمران)

”اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکّہ مکرمہ میں ہے جو تمام دُنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے۔“

بیت اللہ مسجد حرام کے قلب میں واقع ہے اور قیامت تک یہی مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف فرض نمازوں کے وقت خانہ کعبہ کا طواف رکتا ہے‘ باقی دن رات میں ایک گھڑی کے لیے بھی بیت اللہ کا طواف بند نہیں ہوتا۔ بیت اللہ کی اونچائی ۱۴ میٹر ہے‘ جبکہ چوڑائی ہر طرف سے کم وبیش ۱۲ میٹر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی ۱۲۰ رحمتیں روزانہ اس گھر (خانہ کعبہ) پر نازل ہوتی ہیں‘ جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر‘ چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس خانہ کعبہ کو دیکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔“

اگر بیت اللہ کا قریب سے طواف کیا جائے تو سات چکر میں تقریباً ۳۰ منٹ لگتے ہیں‘

☆ www.najeebqasmi.com

لیکن دور سے کرنے پر تقریباً ایک سے دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ طوافِ زیارت (حج کا طواف) کرنے میں کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ بیت اللہ پر پہلی نظر پڑنے پر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق بیت اللہ شریف کو ہر سال غسل بھی دیا جاتا ہے۔

حطیم

یہ دراصل بیت اللہ ہی کا حصہ ہے‘ لیکن قریش مکہ کے پاس حلال مال میسر نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے تعمیر کعبہ کے وقت یہ حصہ چھوڑ کر بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں کعبہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھنا چاہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں لے گئے اور فرمایا: ”جب تم بیت اللہ (کعبہ) کے اندر نماز پڑھنا چاہو تو یہاں (حطیم میں) کھڑے ہو کر نماز پڑھ لو۔ یہ بھی بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔ تمہاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کے وقت (حلال کمائی میسر نہ ہونے کی وجہ سے) اسے (چھت کے بغیر) تھوڑا سا تعمیر کرا دیا تھا“۔ بیت اللہ کی چھت سے حطیم کی طرف بارش کے پانی کے گرنے کی جگہ (پرنالہ) ”میزابِ رحمت“ کہلاتی ہے۔

حجرِ اسود

حجر اسود قیمتی پتھروں میں سے ایک پتھر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روشنی ختم کر دی ہے‘ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو یہ پتھر مشرق اور مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دیتا۔ حجر اسود جنت سے اترا ہوا پتھر ہے جو کہ دودھ سے زیادہ سفید تھا‘ لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ حجر اسود کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جن سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا ہر اُس شخص کے حق میں جس نے اُس کا حق کے ساتھ بوسہ لیا ہو۔ حجر اسود کے استلام سے ہی طواف شروع کیا جاتا ہے اور اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔ حجر اسود کا بوسہ لینا یا اس کی طرف دونوں یا داہنے ہاتھ سے اشارہ کرنا استلام کہلاتا ہے۔

مُلتزَم

مُلتزَم کے معنی ہے چمٹنے کی جگہ۔ حجر اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان ڈھائی

گز کے قریب کعبہ کی دیوار کا جو حصہ ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس جگہ چمٹ کر دعائیں مانگیں تھیں' یہ دعاؤں کے قبول ہونے کی خاص جگہ ہے۔

رُکنِ یمانی

بیت اللہ کے تیسرے کونہ کو رکن یمانی کہتے ہیں۔ رکن یمانی کو چھونا گناہوں کو مٹاتا ہے۔ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں۔ جو شخص وہاں جا کر یہ دعا پڑھے: "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" تو وہ سب فرشتے آمین کہتے ہیں' یعنی یا اللہ! اس شخص کی دعا قبول فرما۔

مقامِ ابراہیم

یہ ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو تعمیر کیا تھا' اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔ یہ کعبہ کے سامنے ایک جالی دار شیشے کے چھوٹے سے قبہ میں محفوظ ہے جس کے اطراف میں پیتل کی خوشنما جالی نصب ہے۔ حجر اسود کی طرح یہ پتھر بھی جنت سے لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روشنی بھی ختم کر دی ہے' اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو یہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دیتا۔ طواف سے فراغت کے بعد طواف کی دو رکعت' اگر سہولت سے جگہ مل جائے تو' مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھنا بہتر ہے۔

مسجدِ حرام

مسلمانوں کی سب سے بڑی مسجد (مسجد حرام) مقدس شہر مکّہ مکرمہ کے وسط میں واقع ہے۔ مسجدِ حرام کے درمیان میں بیت اللہ ہے جس کی طرف رخ کر کے دنیا بھر کے مسلمان ایمان کے بعد سب سے اہم رکن یعنی نماز کی ادائیگی کرتے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلی مسجد مسجد حرام ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ زمین میں سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسجد حرام''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سی؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسجدِ اَقصیٰ''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ دونوں کے درمیان کتنے وقت کا فرق ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''چالیس سال کا''—— نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کا سفر

اختیار نہ کیا جائے' مسجدِ نبوی' مسجدِ حرام اور مسجدِ اَقصیٰ''۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد میں نماز کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار گنا زیادہ ہے' سوائے مسجدِ حرام کے' اور مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔''

صفا ومروہ

صفا ومروہ دو پہاڑیاں تھیں جو موجودہ زمانے میں حجاج کرام کی سہولت کے لیے تقریباً ختم کر دی گئی ہیں۔ صفا ومروہ اور اس کے درمیان کا مکمل حصہ اب ایئر کنڈیشنڈ ہے۔ صفا ومروہ کے درمیان حضرت ہاجرہ سلامٌ علیہا نے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے۔ اور جہاں مرد حضرات تھوڑا تیز چلتے ہیں یہ اُس زمانہ میں صفا ومروہ پہاڑیوں کے درمیان ایک وادی تھی جہاں سے ان کا بیٹا نظر نہیں آتا تھا' لہٰذا وہ اس وادی میں تھوڑا تیز دوڑی تھیں۔ حضرت ہاجرہ سلامٌ علیہا کی اس عظیم قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر قیامت تک آنے والے تمام مرد حاجیوں کو اس جگہ تھوڑا تیز چلنے کی تعلیم دی' لیکن شریعت اسلامیہ نے صنفِ نازک کے جسم کی نزاکت کے مدنظر اس کو صرف مَردوں کے لیے سنت قرار دیا ہے۔ سعی کا ہر چکّر تقریباً ۳۹۵ میٹر لمبا ہے' یعنی سات چکّر کی مسافت تقریباً پونے تین کلومیٹر بنتی ہے۔ نیچے کی منزل کے مقابلہ میں اوپر والی منزل پر ازدحام کچھ کم رہتا ہے۔ قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس پہاڑی سے ایک ایسا جانور نکلے گا جو انسانی زبان میں بات کرے گا۔

منیٰ

منیٰ مکّہ مکرمہ سے ۴۔۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر دوطرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے۔ حجاج کرام ۸ ذی الحجہ کو اور اسی طرح ۱۱' ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام فرماتے ہیں۔ منیٰ میں ایک مسجد ہے جسے مسجد خیف کہا جاتا ہے۔ اسی مسجد کے قریب جمرات ہیں جہاں حجاج کرام کنکریاں مارتے ہیں۔ منیٰ ہی میں قربان گاہ ہے جہاں حجاجِ کرام کی طرف سے قربانیاں کی جاتی ہیں۔

عرفات

عرفات منیٰ سے تقریباً ۸۔۱۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ میدانِ عرفات کے شروع

میں مسجد نمرہ نامی ایک بہت بڑی مسجد ہے جس میں زوال کے فوراً بعد خطبہ ہوتا ہے‘ پھر ایک اذان اور دو اقامت سے ظہر اور عصر کی نمازیں جماعت سے ادا کی جاتی ہیں۔ اسی جگہ پر نبی اکرمﷺ نے خطبہ دیا تھا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ مسجد نمرہ کا اگلا حصہ عرفات کی حدود سے باہر ہے۔ منیٰ ومزدلفہ حدودِ حرم کے اندر‘ جبکہ عرفات حدودِ حرم سے باہر ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں حج کا سب سے اہم رکن ’’وقوفِ عرفہ‘‘ ادا ہوتا ہے‘ جس کے متعلق حضور اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلْحَجُّ عَرَفَةُ)) (رواہ الترمذی والنسائی) یعنی وقوفِ عرفہ ہی حج ہے۔

مُزدلفہ

۹ ذی الحجہ کو غروبِ آفتاب کے بعد حجاج کرام عرفات سے مزدلفہ آ کر عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ یہاں رات کو قیام فرماتے ہیں اور نمازِ فجر کے بعد قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ (البقرۃ:۱۹۸)

’’جب تم عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ آؤ تو یہاں مشعرِ حرام کے پاس اللہ کے ذکر میں مشغول رہو۔‘‘

اس جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کو مسجد مشعرِ حرام کہتے ہیں۔ مزدلفہ منیٰ سے ۳۔۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

وادیٔ مُحسّر

منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان میں ایک وادی ہے جس کو وادیٔ مُحسّر کہتے ہیں۔ حضور اکرمﷺ کی تعلیمات کے مطابق یہاں سے گزرتے وقت تھوڑا تیز چل کر گزرا جاتا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ابرہہ بادشاہ کے لشکر کو تباہ و برباد کیا تھا جو بیت اللہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آ رہا تھا۔

جمرات

یہ منیٰ میں تین مشہور مقام ہیں جہاں اب دیوار کی شکل میں بڑے بڑے ستون بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم‘ نبی اکرمﷺ کے طریقہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع میں ان تین جگہوں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ان میں سے جو مسجد خیف کے قریب ہے اسے جمرۂ اولیٰ‘

اس کے بعد بیچ والے جمرہ کو جمرۂ وسطیٰ اور اس کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف آخری جمرہ کو جمرۂ عقبہ یا جمرۂ کُبریٰ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شیطان نے ان تین مقامات پر بہکانے کی کوشش کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تین مقامات پر شیطان کو کنکریاں ماری تھیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو قیامت تک آنے والے حاجیوں کے لیے لازم قرار دے دیا۔ حجاج کرام بظاہر جمرات پر کنکریاں مارتے ہیں‘ لیکن درحقیقت شیطان کو اس عمل کے ذریعہ دھتکارا جاتا ہے۔ رمی یعنی جمرات پر کنکریاں مارنا حج کے واجبات میں سے ہے۔ دسویں‘ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو رمی کرنا (یعنی ۴۹ کنکریاں مارنا) ہر حاجی کے لیے ضروری ہے۔ تیرہویں ذی الحجہ کی رمی (یعنی ۲۱ کنکریاں مارنا) اختیاری ہے۔

مولد النبیﷺ

مروہ کے قریب حضور اکرمﷺ کی پیدائش کی جگہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ۹ یا ۱۲ ربیع الاول کو نبی آخر الزماںﷺ رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے تھے۔ اس جگہ پر ان دنوں مکتبہ (لائبریری) قائم ہے۔

غارِ ثور

یہ غار جبل ثور کی چوٹی کے پاس ہے۔ یہ پہاڑ مکہ سے چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور غار ایک میل کی چڑھائی پر واقع ہے۔ نبی اکرمﷺ نے مکہ مکرمہ ہجرت کے وقت اسی غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین دن قیام فرمایا تھا۔

غارِ حرا

یہاں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تھا‘ اور سورۃ العلق (اِقْرَاْ) کی ابتدائی چند آیات اسی غار میں نازل ہوئی تھیں۔ یہ غار جبل نور (پہاڑ) پر واقع ہے۔ یہ پہاڑ مکہ مکرمہ سے منیٰ جانے والے اہم راستہ پر مسجدِ حرام سے تقریباً ۴ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کی اونچائی تقریباً ۲ ہزار فٹ ہے۔

جنت المعلّٰی

یہ مکہ مکرمہ کا قبرستان ہے۔ یہاں پر اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا‘ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم‘ تابعین‘ تبع تابعین اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ مدفون ہیں۔

مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات

مسجد نبوی

حضور اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مسجد قبا کی تعمیر کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ اس وقت مسجد نبوی ۱۰۵ فٹ لمبی اور ۹۰ فٹ چوڑی تھی۔ ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کی توسیع فرمائی۔ اس توسیع کے بعد مسجد نبوی کی لمبائی اور چوڑائی ۱۵۰ فٹ ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کی تعداد میں جب غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور مسجد ناکافی ثابت ہوئی تو ۱۷ھ میں مسجد نبوی کی توسیع کی گئی۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسجد نبوی کی مزید توسیع کی گئی۔ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ تا ۹۱ھ میں مسجد نبوی کی غیر معمولی توسیع کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ اموی اور عباسی دور میں مسجد نبوی کی متعدد توسیعات ہوئیں۔ ترکوں نے مسجد نبوی کی نئے سرے سے تعمیر کی' اس میں سرخ پتھر کا استعمال کیا گیا۔ مضبوطی اور خوبصورتی کے اعتبار سے ترکوں کی عقیدت مندی کی ناقابل فراموش یادگار آج بھی برقرار ہے۔ حج اور عمرہ کرنے والوں اور زائرین کی کثرت کی وجہ سے جب یہ توسیعات بھی ناکافی رہیں تو موجودہ سعودی حکومت نے قرب وجوار کی عمارتوں کو خرید کر اور انھیں منہدم کر کے عظیم الشان توسیع کی جو اب تک کی سب سے بڑی توسیع مانی جاتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کا سفر اختیار نہ کیا جائے: ''مسجد نبوی' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ''۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد میں نماز کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ ہے' سوائے مسجد حرام کے''۔ دوسری روایت میں پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کا ذکر ہے۔ جس خلوص کے ساتھ وہاں نماز پڑھی جائے گی اسی کے مطابق اجر وثواب ملے گا' ان شاءاللہ۔

حجرۂ مبارکہ

حضور اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دس گیارہ سال مدینہ منورہ میں گزارے۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ مکرمہ کے بعد بھی آپ ﷺ نے اسی مبارک شہر کو اپنا مسکن بنایا۔ آپ ﷺ

کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہی آپ ﷺ کو دفن کر دیا گیا' اسی حجرہ میں آپ ﷺ کا انتقال بھی ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی اسی حجرہ میں مدفون ہیں۔ اسی حجرۂ مبارکہ کے پاس کھڑے ہو کر سلام پڑھا جاتا ہے۔ حجرۂ مبارکہ کے قبلہ رخ تین جالیاں ہیں' جس میں دوسری جالی میں تین سوراخ ہیں۔ پہلے اور بڑے گولائی والے سوراخ کے سامنے آنے کا مطلب ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر اطہر سامنے ہے۔ دوسرے سوراخ کے سامنے آنے کا مطلب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر سامنے ہے اور تیسرے سوراخ کے سامنے آنے کا مطلب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر سامنے ہے۔

ریاض الجنۃ

قدیم مسجد نبوی میں منبر اور روضۂ اقدس کے درمیان جو جگہ ہے وہ ریاض الجنۃ کہلاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ)) (متفق علیہ) ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے''۔ ریاض الجنۃ کی شناخت کے لیے یہاں سفید سنگ مرمر کے ستون ہیں۔ ان ستونوں کو اسطوانہ کہتے ہیں۔ ان ستونوں پر ان کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ ریاض الجنۃ کے پورے حصہ میں جہاں سفید اور سبز قالینوں کا فرش ہے' نمازیں ادا کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے' نیز قبولیت دعا کے لیے بھی یہ خاص مقام ہے۔

اصحابِ صُفّہ کا چبوترہ

مسجد نبوی میں حجرۂ شریفہ کے پیچھے ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ مسکین و غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیام فرماتے تھے جن کا نہ گھر تھا نہ در' اور جو دن رات ذکر و تلاوت کرتے اور حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی درسگاہ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ اصحابِ صُفّہ کی تعداد کم اور زیادہ ہوتی رہتی تھی' کبھی کبھی ان کی تعداد ۸۰ تک پہنچ جاتی تھی۔ سورۃ الکہف کی آیت ۱۲۸ انہی اصحابِ صُفّہ کے حق میں نازل ہوئی' جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو ان کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔

جنت البقیع (بقیع الغرقد)

یہ مدینہ منورہ کا قبرستان ہے جو مسجد نبوی سے بہت تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس میں

بے شمار صحابہ کرام ﷢ (تقریباً ۱۰ ہزار) اور اولیاء اللہ مدفون ہیں۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی ؓ، حضور اکرم ﷺ کی چاروں صاحبزادیاں، حضور اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات، آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔

جبلِ اُحد

مسجد نبوی سے تقریباً ۴ یا ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر یہ مقدس پہاڑ واقع ہے، جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ)) (صحیح البخاری) ”یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں“۔ اسی پہاڑ کے دامن میں ۳ھ میں جنگِ اُحد ہوئی، جس میں آنحضرت ﷺ سخت زخمی ہوئے اور تقریباً ۷۰ صحابۂ کرام شہید ہوئے تھے۔ یہ سب شہداء اسی جگہ مدفون ہیں جس کا احاطہ کر دیا گیا ہے۔ اسی احاطہ کے بیچ میں حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ؓ مدفون ہیں، آپ کی قبر کے برابر میں حضرت عبداللہ بن جحش ؓ اور حضرت مُصعب بن عمیر ؓ مدفون ہیں۔ حضور اکرم ﷺ خاص اہتمام سے یہاں تشریف لاتے تھے اور شہداء کو سلام و دعا سے نوازتے تھے۔

مسجد قبا

مسجدِ قبا مسجدِ نبوی سے تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ مسلمانوں کی یہ سب سے پہلی مسجد ہے۔ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو قبیلہ بن عوف کے پاس قیام فرمایا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ خود اپنے دست مبارک سے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ﴾ (التوبۃ:۱۰۸) یعنی وہ مسجد جس کی بنیاد اوّل روز سے ہی اخلاص و تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے بعد مسجد قبا دنیا بھر کی تمام مساجد میں سب سے افضل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل چل کر مسجد قبا تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو شخص (اپنے گھر سے) نکلے اور اس مسجد (یعنی مسجد قبا) میں آ کر (دو رکعت) نماز پڑھے تو اسے عمرہ کے برابر ثواب ملے گا۔“

مسجد جمعہ

حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اسی مسجد میں جمعہ ادا فرمایا، یہ مسجد قبا کے قریب ہی واقع ہے۔

مسجدِ فتح (مسجدِ اَحزاب)

یہ مسجد جبل سلع کے غربی کنارے پر اونچائی پر واقع تھی۔ غزوۂ خندق (احزاب) میں جب تمام کفار مدینہ منورہ پر مجتمع ہو کر چڑھ آئے تھے اور خندقیں کھودی گئیں تھیں، رسول اکرم ﷺ نے اس جگہ دعا فرمائی تھی، چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس مسجد کے قریب کئی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی تھیں جو مسجد سلمان فارسی، مسجد ابوبکر، مسجد عمر اور مسجد علی کے نام سے مشہور ہیں۔ دراصل غزوۂ خندق کے موقع پر یہ ان حضرات کے پڑاؤ تھے جن کو محفوظ اور متعین کرنے کے لیے غالباً سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مساجد کی شکل دی۔ یہ مقام ”مساجدِ خمسہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اب سعودی حکومت نے اس جگہ پر ایک بڑی عالیشان مسجد (مسجدِ خندق) کے نام سے تعمیر کی ہے۔

مسجدِ قبلتَین

تحویل قبلہ کا حکم عصر کی نماز میں ہوا۔ ایک صحابی نے عصر کی نماز نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھی، پھر انصار کی جماعت پر ان کا گزر ہوا، وہ انصار صحابہ (مسجد قبلتَین) میں بیت المقدس کی جانب نماز ادا کر رہے تھے، ان صحابی نے انصار صحابہ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو دوبارہ قبلہ بنا دیا ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی صحابۂ کرام نے نماز ہی کی حالت میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔ چونکہ اس مسجد (قبلتَین) میں ایک نماز دو قبلوں کی طرف ادا کی گئی اس لیے اسے مسجد قبلتَین کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ تحویل قبلہ کی آیت اسی مسجد میں نماز پڑھتے وقت نازل ہوئی تھی۔

مسجدِ اُبی بن کعب

یہ مسجد جنت البقیع کے متصل ہے، اس جگہ زمانہ نبوی کے مشہور قاری حضرت اُبی بن کعب ؓ کا مکان تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہاں اکثر تشریف لاتے اور نماز پڑھتے تھے، نیز حضرت اُبی بن کعب ؓ سے قرآن مجید سنتے اور سناتے تھے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان مقامات کی زیارت اور اپنے گھر کی حاضری نصیب فرمائے۔ آمین!

داعی رجوع الی القرآن ؛ بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن

- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- بڑے سائز میں
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 4400 روپے

عوامی ایڈیشن

- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 2200 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

Aug 2019
Vol.68

Regd. CPL No.115
No.8

Monthly **Meesaq** Lahore